بہتر، صفحات ۸۰، قیمت للعہ پتہ:- علمی کتاب گھر، شاہ گنج جونپور۔

مصنف نے کچھ عرصہ پہلے بچوں کے لئے آسان زبان میں "سب کے نبیؐ" کے نام سے ایک کتابچہ لکھا تھا، جو مقبول ہوا، اور مکاتب اسلامیہ کے نصاب میں داخل کیا گیا، یہ بھی اسی طرز کی مفید اور عام فہم کتاب ہے، اور اس میں خلفائے راشدین کے حالات و واقعات قلمبند کئے گئے ہیں، اختصار، مناسب ترتیب، آسان زبان اور اچھے پیرایۂ بیان کی وجہ سے یہ بھی مکاتب کے نصاب میں شامل کئے جانے کے لائق ہے۔

صبح صادق :- تقطیع خورد، کاغذ، کتابت وطباعت اچھی، صفحات ۱۶۰ مجلد گردپوش، قیمت دس روپے، ناشر انجمن تحفظ تقدیس ادب قصبہ جلالپور ضلع فیض آباد۔

قصبہ جلالپور، ضلع فیض آباد کے خوش مذاق لوگوں نے تحفظ تقدیس ادب کے نام سے ایک انجمن قائم کی ہے، نعتوں کا یہ انتخابی مجموعہ انجمن کی پہلی پیش کش ہے، جو پندرہویں صدی ہجری کے آغاز کی مناسبت سے شائع کیا گیا ہے، یہ جلالپور اور اس سے متصل لگ پور کے تقریباً دو درجن شعراء کے نعتیہ کلام پر مشتمل ہے، اکثر شاعروں نے انجمن کی جانب سے دیئے گئے طرحی مصرعہ ع دونوں عالم پر محمدؐ کا بہت احسان ہے، پر طبع آزمائی کی ہے، اس کے علاوہ ہر شاعر کی چند غیر طرحی نعتیں بھی دی گئی ہیں، مجموعہ کی ابتداء و انتہا کلام اقبال سے کی گئی ہے، ابتدا میں کلام اقبال ع خودی کا سرِ نہاں لا الٰہ الا اللہ کے بعد انور جلالپوری کی ایک حمد بھی ہے، اور خاتمہ ڈاکٹر اقبال کی مشہور منظوم دعا ع یارب دل مسلم کو وہ زندہ تمنا دے، پر ہوا ہے، شروع میں دار المصنفین کے ناظم جناب سید صباح الدین عبد الرحمن صاحب کے قلم سے ایک مقدمہ بھی ہے، اس میں عربی، فارسی اور اردو میں نعت گوئی کی مختصر تاریخ اور زیر نظر مجموعہ کی اکثر نعتوں کے بہترین اشعار پر مؤثر انداز میں اظہار خیال کیا گیا ہے، جس جذبہ سے یہ کتاب شائع کی گئی ہے، وہ قدر و لائق تحسین ہے۔

"ض"

جلد ۱۳۲ ماہ ذی قعدہ ۱۴۰۳ھ مطابق ماہ ستمبر ۱۹۸۳ء عدد ۳

مضامین

تصحیح

اگست ۸۳ء کے معارف میں ڈاکٹر حمید اللہ کے ایک خط پر اظہار رائے کے عنوان سے جو دو خطوط شائع ہوئے ہیں، ان میں دوسرا خط کلکتہ کے جناب آغا رشید مرزا دہلوی صاحب کا ہے، جن کا نام سہواً لکھنے سے رہ گیا ہے، ناظرین تصحیح فرمالیں،

اڈیٹر

شذرات

محمود غزنوی نے سومناتھ کے مندر کی دولت کو لوٹ کر جس طرح اس کو برباد کیا، اس کو ہندو مورخین ابھی تک نہیں بھولے ہیں، اس پر اپنے غصہ، رنج، اور دکھ کا اظہار برابر کرتے رہتے ہیں، ہندو مورخین کا عام خیال ہے کہ ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کو مندر شکنی میں لذت ملتی، اور اس کو وہ مذہبی فریضہ سمجھتے رہے، چنانچہ علاء الدین خلجی کے فوجی سردار ملک کافور، فیروز شاہ تغلق، سکندر لودی، اور شاہجہاں پر اس قسم کے الزامات رکھکر اپنی تاریخ کے اوراق کو اپنے قلم کے خون کی بوند سے رنگین کرتے رہتے ہیں، ایسے مورخین میں سب سے نمایاں حیثیت جدوناتھ سرکار کی ہے، جو اپنی مشہور تاریخ ہسٹری آف اورنگ زیب کی جلد سوم میں لکھتے ہیں کہ اورنگزیب نے چنتامن، احمد آباد، تارا، سومناتھ، کوچ بہار، بنارس، کھنڈیلہ، اودے پور، امبر، گولکنڈہ، اور بیجاپور وغیرہ کے مندروں کو یا تو منہدم کیا، یا کرایا اس بیان میں کہاں تک صداقت ہے، یا یہ مندر کن اسباب کی بنا پر منہدم ہوئے ان پر ابھی بحث کرنے کی ضرورت نہیں لیکن اگر یہ مندر واقعی منہدم ہوئے تو اس زمانہ کے ہندوؤں کو اتنا اشتعال اور غصہ کیوں پیدا نہیں ہوا جتنا آج کے مورخین ان کی یاد دلا کر پیدا کرنا چاہتے ہیں، خود جدوناتھ سرکار نے اپنی اس کتاب کی پہلی جلد میں لکھا ہے کہ اودیچھا میں بیر سنگھ دیو کے بنائے ہوئے مندر کو اورنگزیب نے منہدم کرایا تو اودیچھا کے نئے راجہ دیوی سنگھ نے کوئی اعتراض نہیں کیا، اس پر جدوناتھ سرکار نے اپنی برہمی کا اظہار یہ لکھ کر کیا ہے کہ اس کو اس کی پرواہ اس لئے نہیں ہوئی کہ اس کے علاقہ کی گدی سلامت رہے، اور وہ اپنے سنگھاسن پر بیٹھ کر راجہ کہلائے، (ص ۲۹)

اگر ہندوستان میں مسلمان حکمرانوں نے محض جبر و ظلم کی خاطر ان مندروں کو منہدم کیا تو انھوں نے اپنے رسول ﷺ کی تعلیم اور اسوۂ حسنہ کی خلاف ورزی کی، آپ نے نجران کے عیسائیوں کو ایک معاہدہ کے ذریعہ سے یقین دلایا کہ ان کی عبادت گاہیں، ان کی خانقاہیں، ان کے پادری اور ان کے راہب اللہ اور اس کے رسول کے امان میں ہوں گے، ان کی مورتیوں کی شکلیں بگاڑی نہیں جائیں گی، ان کے تہواروں کے موقع پر ناقوس بجانے اور صلیبوں کے نکالنے سے روکا نہ جائے گا، ان کے سارے حقوق بحال رہیں گے، اسی پر خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا عمل رہا، ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں کی مندر شکنی کا بڑا چرچا ہندو مورخین کرتے ہیں لیکن اسی ملک میں جتنی مسجدیں شہید کی گئیں، ان کا ذکر نہیں، اور جب مسلمان برسر اقتدار تھے، اس وقت بھی مسجدیں شہید ہوتی رہیں، جہانگیر اور شاہجہاں کے عہد میں گجرات میں ہندوؤں نے مسجدوں کو منہدم کر کے ان کی جگہ گھر بنا لیے تھے، اس کی تفصیل عبدالحمید لاہوری کی تاریخ بادشاہ نامہ جلد دوم ص ۵۷ میں ملے گی، علی عادل شاہ نے ۹۶۸ھ میں بیجانگر کے راجہ رام راج کو نظام شاہی بحری کے مقابلہ میں اپنی مدد کو بلایا تو رام راج نے علی عادل شاہ کے قلمرو میں تمام مسجدیں جلا دیں (تاریخ فرشتہ جلد دوم ص ۳۶)، خود جدوناتھ سرکار نے لکھا ہے کہ اورنگزیب کے زمانے میں ست نامیوں نے نارنول کو لوٹ کر اس کی ساری مسجدیں منہدم کر دیں، (تاریخ اورنگ زیب ج ۳ ص ۲۹۸)

اورنگزیب کے جانشین بہادر شاہ اول کی وفات کے بعد مہاراجہ جسونت سنگھ کے لڑکے اجیت سنگھ نے جودھپور میں وہاں کی مسجدیں شہید کر کے ان کی جگہوں پر مندر بنوائے، (منتخب اللباب جلد دوم ص ۳۷)

کنہیالال کپور نے اپنی تاریخ لاہور میں لکھا ہے کہ سکھوں کے عروج کے زمانہ میں لاہور کی بادشاہی مسجد ان کے فوجیوں اور توپچیوں کا مسکن تھا، اس کے برآمدے بارود خانے بنا دیئے گئے تھے، اس کے صحن کے پتھر اکھاڑ دیئے گئے تھے، ہستی گیٹ کے پاس جو مسجد تھی اس سے بارود خانہ کا کام لیا جانے لگا تھا، دہلی کی سنہری مسجد کو بھی مسمار کر دینے کی کوشش کی گئی، مسلمانوں کی فریاد پر داگذاشت ہوئی تو اس کے نیچے کی دکانیں گوردواروں کی ملکیت میں دیدی گئیں، مسجدوں میں اذان دینے کی اجازت نہ تھی، کنہیالال

نے یہ بھی لکھا ہے کہ سکھوں کے زمانے میں مسجدوں کا منہدم کر دینا ایک عام بات تھی، ہزاروں مسجدیں برباد کر دی گئیں، اور ان کی جگہوں پر مکانات بنا لئے گئے (تاریخ لاہور ص ۱۵۱، ۱۳۵)

۱۹۴۷ء کے بعد ہندوستان میں مسجدوں کی جو بے حرمتی اور بربادی کی گئی اس کی تاریخ تو او بھی لکھنا ہے ان کی غارتگری اب بھی آنکھوں سے دیکھی جا سکتی ہے، ۱۹۷۶ء میں حکومت ہند نے ایک برنی کمیٹی بنائی تھی اس کی رپورٹ کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ اس وقت تک صرف دہلی کی تقریباً ۱۷۶ مسجدیں ایسی تھیں، جن کے تصرف سے مسلمان محروم تھے، ان میں سے بعض مسجدوں کو کیا سے کیا بنا دیا گیا اس کی کچھ مثالیں یہ ہیں

نئی دہلی ریلوے اسٹیشن کے پاس بازار پہاڑ گنج میں سرخ پتھروں کی بنی ہوئی ایک وسیع اور عریض جامع مسجد تھی، اس کے بڑے حصہ میں ایک ہوٹل کامراج لاج کے نام سے قائم کر دیا گیا ہے جامع مسجد دہلی کے شمال میں دریبہ میں ایک مسجد نواب صاحب کی مسجد کے نام سے مشہور ہے، اس کو نواب شرف الدولہ نے تعمیر کیا تھا اس کے صحن میں ہندوؤں نے اپنے دفاتر اور رہائش گاہیں بنا رکھی ہیں ترکمان گیٹ میں مسجد چندہ گھوسی ہے، اس پر ایک ہندو کا قبضہ ہے، ٹاؤن ہال کے قریب کوچہ منٹوال کی ایک مسجد رہائش گاہ بنا لی گئی ہے، ٹائمز آف انڈیا کی عمارت کے سامنے بہادر شاہ ظفر روڈ پر ایک مسجد کے کتبہ کو غائب کر کے اس پر پلاسٹر کر دیا گیا ہے،

پنجاب کی تو ان گنت مسجدوں میں یا تو گردوارے یا اسکول قائم ہیں، ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں معلوم نہیں کتنی مسجدوں کی بربادی اور بے حرمتی کی گئی ہے، اگر کوئی مسلمان مورخ ہمارے بعض ہندو مورخوں کی طرح یہ لکھے کہ مسجدوں کو شہید کر کے ہندو اور سکھ اپنا مذہبی فریضہ انجام دیتے رہے تو کیا یہ صحیح ہو گا، مورخین اس قسم کے واقعات پر اپنے اشتعال انگیز جذبات کا اظہار کرتے وقت سوچیں کہ وہ کوئی مفید خدمت انجام دے رہے ہیں یا باہمی منافرت پھیلا کر اپنے سطحی جذبات کی تسکین کا سامان کر رہے ہیں،

مقالات

مستشرقین اور اسلام

از

شیخ انور الجندی، مصر ــــ مترجمہ: محمد عمیر الصدیق دریابادی ندوی رفیق دار المصنفین

(۳)

مستشرقین کے ایک طبقہ کا دعویٰ ہے کہ قرآن کی تعلیمات اور واقعات کا ماخذ توریت و انجیل ہیں، یہ لوگ دراصل قرآن مجید کے متعدد ایسے اصولوں سے ناواقف ہیں، جن کے ذکر سے توریت و انجیل خالی ہیں، علاوہ ازیں قرآن مجید نے بعض واقعات کی جو تفصیل بیان کی ہے، ان سے یہود و نصاریٰ بیخبر تھے، باوجودیکہ وہ ان ہی کے دین و تاریخ سے متعلق تھے، مثلاً ان لوگوں کو یہ نہیں معلوم تھا کہ حضرت عیسیٰ ع کی پیدائش کے بعد ان کی والدہ حضرت مریم ع کی کفالت حضرت زکریا ع نے کی، اسی طرح قرآن مجید کی وہ پیش گوئیاں جو بعد میں بالکل درست ثابت ہوئیں، جیسے ساتویں صدی عیسوی کی ابتدا میں رومیوں نے ایرانیوں سے ایسی زبردست شکست کھائی کہ بظاہر کسی کو رومیوں کے دوبارہ غلبہ کی کوئی امید نہیں تھی، لیکن قرآن مجید نے پورے وثوق اور یقین کے ساتھ خبر دی کہ چند برسوں میں وہ پھر غالب آجائیں گے، اور بالآخر یہ پیش گوئی پوری ہو کر رہی، اسی طرح قرآن مجید نے بعض ایسے واقعات کی خبر دی جن کا مشاہدہ اب موجودہ دور میں ہو رہا ہے، حالانکہ ان واقعات کا علم چودہ سو برس پہلے نہ تو کسی کو تھا، اور نہ ہی مسلمانوں کے سوا اللہ کے ظہور و وقوع پر کسی کو یقین تھا اور توریت و انجیل میں بھی ان باتوں کا کوئی ادنیٰ

ثبوت یا اشارہ موجود نہیں تھا۔ مثلاً فضا کی بلندیوں میں ہوا کا دباؤ کم ہو جانا۔ آج ایک عام سائنسی اصول ہے، لیکن قرآن مجید نے بہت پہلے ایک آیت میں اس کی طرف اشارہ کیا تھا۔

وَمَن يُرِدْ أَن يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا كَأَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَاءِ (انعام: ۱۵)

اور اللہ جس کو گمراہ کرنا چاہتا ہے تو اس کے سینہ کو بالکل تنگ کر دیتا ہے گویا اسے آسمان میں چڑھنا پڑ رہا ہے۔

اسی طرح بارش کے وقت زمین کے اہتزاز کے بارے میں قرآن مجید نے بہت پہلے کہا تھا:

فَإِذَا أَنزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ (حج: ۱)

پھر جہاں ہم نے اس پر مینہ برسایا کہ یکایک وہ پھبک اٹھی اور پھول گئی۔

ڈیڑھ ہزار برس پہلے اس قسم کی معلومات ناقابل یقین خیال کی جاتی تھیں، مگر سائنس کی جدید تحقیقات کے بعد کس کو ان میں شک و شبہ ہو سکتا ہے۔

اسی طرح قرآن مجید میں متعدد ایسی باتیں بیان ہوئی ہیں جنھیں کسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ ان میں آپ کے کسی خاص طرز عمل کی وجہ سے آپ پر عتاب کیا گیا ہے۔ ایسی صورت میں قرآن کا آپ کی تصنیف ہونا کسی طرح ممکن نہیں۔ کیونکہ اگر آپ خود ہی قرآن لکھتے تو پھر اپنے آپ پر عتاب کس طرح کرتے؟ غزوۂ بدر کے اسیروں کی رہائی، نابینا صحابی کی آمد اور منافقین کی نماز جنازہ اور حضرت زینب رضی بنت جحش کے واقعات میں قادر مطلق کا لہجہ، ذات نبویؐ کے طرز کلام سے واضح طور پر ممتاز اور جدا ہے۔ اور اس حقیقت کا غماز ہے کہ بیشک قرآن مجید کلام الٰہی ہے۔

اب یہ دعویٰ کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے توریت و انجیل کے معانی و مطالب اور ان کے آہنگ و اسلوب کو اختیار کیا تو اس کا سادہ جواب یہ ہے کہ قرآن کے مضامین اور توریت و انجیل کے مضامین میں نمایاں فرق ہے۔ یہاں تک کہ چند مشترک باتوں میں بھی بنیادی فرق موجود ہے۔ مثلاً حضرت مریمؑ

و عیسیٰؑ کے معاملات، عقیدۂ تثلیث، واقعۂ صلیب اور بنی آدم کے پیدائشی طور پر گنہگار ہونے کے عقائد و مسائل ایسے ہیں، جن میں قرآن اور انجیل کا تضاد ظاہر و واضح ہے، اس لئے مذکورہ دعویٰ کی کوئی حقیقت و اہمیت نہیں ہے۔

ایک اور اعتراض یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے منتظر اور متمنی تھے، اور اپنے ایک دوست سے اس کے متعلق گفتگو کیا کرتے تھے۔ لیکن مستند اور صحیح روایتوں سے قطعاً یہ معلوم نہیں ہوتا کہ آپ خود کو "موعود نبی" سمجھتے تھے۔ ایسا ہوتا تو محدثین اور مورخین اس قسم کی روایتیں بیان کرنے میں ذرا بھی تساہل نہ برتتے۔ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زمانہ کے مشہور جاہلی شاعر امیہ بن ابی الصلت کے بارہ میں اس قسم کی روایتیں ملتی ہیں کہ اس کو یہ گمان تھا کہ وہ نبوت کا مستحق ہو سکتا ہے۔ اس کے برعکس قرآن مجید نے تو صراحت کی ہے:

وَمَا كُنتَ تَرْجُو أَن يُلْقَىٰ إِلَيْكَ الْكِتَابُ إِلَّا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ (قصص: ۹)

تم اس بات کے ہرگز امیدوار نہ تھے کہ تم پر کتاب نازل کی جائے گی، یہ تو بخش تمہارے رب کی رحمت سے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی اور راست گوئی کے معترف تو آپ کے دشمن، حتیٰ کہ ابوجہل جیسے بدترین مخالف بھی تھے۔ اگر اس قسم کی کسی بات کا کوئی شائبہ بھی ہوتا تو وہ لوگ اس کا پروپگنڈا کرنے میں بروکلمان اور ان کے ہم نواؤں سے بھی زیادہ آگے ہوتے، جس سے یقیناً مستشرقین، منافقین اور یہودیوں کو بھی مخالفت کا ایک زبردست حربہ اور طاقتور دلیل مل جاتی۔

اسی طرح قرآن مجید نے صراحت کے ساتھ کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی معلم نہیں تھا جو آپ کو قرآن کی تعلیم دیتا۔

وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ لِّسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ

ہمیں معلوم ہے یہ لوگ تمہارے متعلق کہتے ہیں کہ اس شخص کو ایک آدمی سکھاتا پڑھاتا ہے،

الَیْہِ اَعْجَمِیٌّ وَّھٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ (نحل: ۱۰۳)

حالانکہ انکا اشارہ جس آدمی کیطرف ہے اسکی زبان عجمی ہے، اور یہ صاف عربی زبان ہے۔

قرآن مجید کے بعض الفاظ و کلمات کے بارہ میں چند محققین نے یہ خیال ظاہر کیا کہ وہ عربی کے بجائے دوسری زبانوں کے ہیں، مستشرقین نے اس تحقیق کو سند تسلیم کرتے ہوئے فیصلہ صادر کیا کہ قرآن کی عربیت کامل و خالص نہیں ہے، حالانکہ بظاہر غیر عربی نظر آنے والے یہ الفاظ حقیقۃً غیر عربی نہیں ہیں، بلکہ وہ قدیم عربی زبان میں تجارت، سفر اور دوسری قوموں کے اختلاط کی وجہ سے داخل ہو گئے تھے، اور زبانوں کے عام قاعدے اور مزاج کے مطابق وہ اصل عربی زبان کا جزو بن کر اس میں استعمال ہونے لگے تھے، اسی لئے قرآن مجید نے بھی ان کو استعمال کیا، اور خدا نے اپنے بندوں سے ان ہی کی زبان میں گفتگو کی، یہ بات نامناسب اور غیر معقول بھی ہے کہ قرآن مجید استعمال تو ایسے الفاظ کرے جو غیر عربی ہوں یا عربوں کیلئے نامانوس ہوں اور ان کو "عربی مبین" کا نام دے، گویا ان کو ایسے الفاظ میں خطاب کرے جن کو وہ سمجھ ہی نہ سکیں۔

محققین نے ایسے الفاظ کی تحقیق کی تو یہ ثابت ہوا کہ یہ الفاظ اصلاً عربی ہی تھے، بعد میں حبشی، سریانی اور فارسی زبانوں میں بھی دخیل اور رائج ہوئے، یہ اعتراض پہلے بھی کیا گیا ہے، اسی لئے امام طبری نے ایک جگہ لکھا ہے کہ قرآن مجید کا مطالعہ کرنے والے کسی بھی صاحب عقل سلیم سے اس اعتقاد کی توقع نہیں کی جاسکتی کہ قرآن مجید کے چند الفاظ فارسی ہیں، بعض نبطی ہیں اور کئی حبشی ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

وَلَوْ جَعَلْنٰہُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِیًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰیٰتُہٗ

اگر ہم اسکو عجمی قرآن بناکر بھیجتے تو یہ لوگ کہتے کیوں نہیں اسکی آیات کھول کر بیان کی گئیں

مستشرقین اور عربی زبان و ادب

عربی زبان و ادب پر مستشرقین کا حملہ بھی اصلاً قرآن مجید ہی سے جڑا ہوا ہے، اسکا مقصد یہ ہے کہ "بیان قرآن" اور عربی انشاپردازی کی زبان کے درمیان ایک خلا کا وجود ثابت کردیا جائے، اسی لئے مستشرقین کی پیہم کوشش یہ رہی ہے کہ عربوں کو عوامی زبان اور لاطینی

حروف کی جانب زیادہ رغبت دلائی جائے، مراکش و شام میں فرانسیسی مستشرق ماسینیون اور مارگولیوتھ نے دوسرے عرب ممالک میں یہی مہم چلا رکھی ہے، ان دونوں نامور مستشرقین کا مرکز دمشق تھا، ان کا مقصد یہ تھا کہ جب عربی زبان، مقامی رنگ اختیار کرے گی، اور زبانیں غیر عربی لب و لہجہ سے مانوس ہو جائیں گی تو اسلام کی فہم کے راستے خود بخود منقطع ہو جائیں گے، اور اس کی عائد کردہ پابندیاں بھی ختم ہو جائیں گی۔

ان مستشرقین نے عربی زبان پر کئی اعتراضات کئے، مثلاً عربی زبان ناقص اور علمی مفہوم ادا کرنے کے لئے ناکافی ہے، بولنے میں مشکل اور لکھنے میں دشوار ہے، اس کی سطح عام لوگوں کی فہم و ادراک سے بالاتر ہے، بولنے اور لکھنے کے طریقوں میں بڑا فرق ہے۔

لوئس ماسینیون کا شمار ان انتہائی خطرناک مستشرقین میں ہوتا ہے، جو عربی کے لئے لاطینی حروف اور رسم الخط کو قبول کرنے کی دعوت دیتے تھے، ان کے خیال میں اس سے اعراب کی زحمت ختم ہو جائے گی اور غیر عربوں کے لئے بھی عربی زبان کی تحصیل زیادہ آسان ہو جائے گی، انھوں نے دمشق کی مجمع العلمی کے اراکان کے سامنے اپنی اسی دعوت کو پیش کرتے ہوئے کہا کہ اگر لاطینی حروف کو قبول کر لیا گیا تو عربی زبان کی تجدید کے لئے یہ اہم وسیلہ ثابت ہوں گے، پھر انھوں نے پیرس میں بھی عرب نوجوانوں کی مختلف مجلسوں میں اسی تجویز کو دہرایا، لیکن یہ عربی زبان کی خوش نصیبی تھی کہ ان کو اپنی اس تحریک کے سلسلہ میں سخت مزاحمت اور وسیع ردعمل کا سامنا کرنا پڑا، مارگولیوتھ کی اسی قسم کی کوششوں کا انجام بھی ماسینیون سے مختلف نہیں رہا، چنانچہ جب انھوں نے ایرانیوں کے سامنے یہی تجویز رکھی، تو ایرانیوں نے سختی کے ساتھ رسم خط اور عربی حروف کو لاطینی میں تبدیل کرنے کی ان کی کوششوں کو رد کر دیا، مستشرقین سے پہلے عیسائی مشنریوں ولیم ویل کوکس اور ویل مور اور اسپٹیا نے بھی عوامی زبان کو اپنا ہدف بنایا تھا، مستشرقین ان کے بعد فصحی یعنی قرآن کی زبان کے خلاف سرگرم عمل ہوئے، ایک مستشرق ولسنک نے چند ایسے رسائل شائع کئے، جنکی زبان قدیم مصری تھی، مگر وہ یورپی حروف میں لکھے گئے تھے، انہوں نے اپنے ایک رسالہ کا نام "الجریدۃ المصریۃ"

رکھا تھا، اس کی ایک عبارت کی تحریر کا نمونہ یہ جملہ ہے، بل لسان المصری ومعہا امسلۃ
جس کی صحیح صورت یہ ہے باللسان المصری ومعہا امثلۃ۔

مستشرقین کے مقصد برآوری کا ایک اہم ذریعہ عربی اکیڈمیاں بھی رہی ہیں۔ ان اکیڈمیوں کو ان کا
علمی تعاون برابر حاصل ہوتا رہا۔ اور انہی کے ذریعہ یہ مطالبہ کیا گیا کہ قرآن کو موجودہ دور کی زبان کے
مطابق لکھا جائے، اس طرح اس طریقۂ تحریر کو ہی ختم کر دیا جائے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے
رائج ہے، اور جس میں مختلف عربی لہجوں اور قرأتوں کی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے، مستشرقین کی یہ کوشش
کوئی نئی بات نہیں، اسلام کے بدخواہوں کے انداز فکر و عمل میں روز اول سے ہی ایک قسم کی یکسانی پائی جاتی ہے،
چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ بھی اپنے زمانہ میں اسکی تردید کر چکے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ قرآن کی قرأت کے لئے
ضروری ہے کہ وہ صحابۂ کرام کے لکھے ہوئے نسخوں کے مطابق ہو، قرآن مجید کا نزول سات عربی لہجوں پر ہوا
ہے، اور اس کا موجودہ خط ان تمام لہجوں کے موافق ہے، اس لئے اگر رسم خط میں تبدیلی کی گئی تو یہ زبان ہی
ضائع ہو جائے گی۔

مستشرقین کی ایک سازش یہ بھی ہے کہ نحو و صرف کے علوم سے صرف نظر کیا جائے، کیونکہ اس سے
زبان کی مشکلیں آسان ہو جائیں گی، اب اس ہمدردی کو کیا کہا جائے؟ اہل علم واقف ہیں کہ عربی زبان کی
عظمت جن بنیادوں پر قائم ہے۔ وہ نحو و صرف کے مقررہ اصول و قواعد اور نیز بلاغت کے علوم یعنی معانی،
بیان اور بدیع وغیرہ کے ضوابط کی مکمل محافظت کے متقاضی ہیں، اگر ان بنیادی علوم کے قواعد میں ذرا
سی ڈھیل بھی اور معمولی نرمی گوارا کی گئی تو زبان میں عیب اور کجی آسکتی ہے، اور عربی زبان کا سرمایۂ امتیاز،
اس کا زوردار اسلوب، نادر ترکیبیں اور بلیغ جملے سب مسخ اور تباہ ہو جائیں گے،

مستشرقین نے ایک اور راگ چھیڑا، جس میں ان کی ہم نوائی کچھ مغرب زدہ عربوں نے بھی کی،
اور وہ یہ کہ عربی زبان، ہماری اپنی زبان ہے، اس کی اصلاح و ترقی اور اس میں رد و بدل وغیرہ کا حق

واختیار صرف ہم کو ہے۔ اس راگ کے بے سرے ہونے کا احساس ہر صاحب ذوق کو ہوا، حقیقت یہ ہے
کہ عربی زبان پر محض مصریوں، شامیوں یا عربوں کا ہی حق نہیں ہے، بلکہ ان کے ساتھ اس پر کم از کم آٹھ سو ملین
مسلمانوں کا حق بھی ہے، جن کی ثقافت، فکر اور عقیدہ کی زبان عربی ہے۔ یورپ کی مقامی قومی زبانوں کے
بارے میں تو یہ دعویٰ درست ہو سکتا ہے، لیکن عربی جیسی قدیم و وسیع زبان کو کسی محدود خطۂ ارض یا محض
عربوں کی زبان قرار دینا کسی طرح بھی درست نہیں ہو سکتا، یہ خواہش یا دعویٰ اس قدر مہمل ہے کہ تاریخ و
تحقیق کی نظر میں کبھی درخور اعتنا نہیں ہو سکتا۔

مستشرقین کا یہ دعویٰ بالکل ہی غلط اور خلاف واقعہ ہے کہ عربی زبان کا ایک عیب یہ بھی ہے کہ
وہ دو زبانوں پر مشتمل ہے۔ ایک تحریر کی زبان اور دوسری گفتگو کی زبان؛ گویا یہ عیب صرف عربی زبان
کے ساتھ خاص ہے، حالانکہ دنیا کی ساری زبانوں کا یہی حال ہے، یہاں تک کہ یورپ کی انتہائی ترقی
یافتہ زبانیں بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں، ممکن ہے کہ تعلیم کے فروغ کے ساتھ گفتگو اور تحریر کے درمیانی فاصلے
سمٹ جائیں، لیکن فطری طور سے یہ فاصلے ہر زبان میں قائم رہتے ہیں، اس لئے تحریر کی زبان کو گفتگو کی زبان
کی پست سطح پر لانے کی کوشش بڑی مضحکہ خیز ہے، جو زبان کی خصوصیت اور اس کے اصول ارتقاء کے عین
خلاف ہے۔

مستشرقین جب عربی زبان کے ضعف یا جمود کے بارہ میں اظہار خیال کرتے ہیں، تو وہ اس جمود
کی اصل وجہ کو نظر انداز کر دیتے ہیں، درحقیقت اس جمود کا اصلی سبب ان کا اپنا مزاج ہے، جس نے عربی زبان
کے فروغ کی راہوں میں رکاوٹیں پیدا کیں، مقامی زبانوں کو عربی زبان پر غالب کرنا چاہا۔ اور عوامی زبان
اور روزمرہ کی بول چال کی محض اس لئے حوصلہ افزائی کی کہ اس سے عربی زبان کے فروغ و اشاعت میں
رکاوٹیں حائل ہوں، استعمار کے نمائندوں مثلاً ڈنلوب نے تعلیمی پالیسی اس طرح مرتب کی کہ جو نوجوان
اعلیٰ علمی ترقی کے سرچشموں سے فیض حاصل کرنا چاہیں، ان کے لئے عربی زبان، بحیثیت ذریعہ تعلیم ناکافی

ثابت ہو، اور یہ نوجوان ابتدائی تعلیم کے بعد نامانوس ماحول اور اجنبی زبانوں کے دست نگر بن جائیں، چنانچہ یہی ہوا کہ کچھ تو آکسفورڈ اور کیمبرج کی روایتی ثقافت کے پابند ہو گئے، بعضوں کا واضح و شفاف عربی فکر سے عقیدہ ہی ختم ہو گیا، اور ایک طبقہ جرمن طرزِ اسلوب پر فریفتہ ہو گیا، مختصر یہ کہ سامراج نے قوم کو قومی زبان میں تعلیم پانے سے محروم کر دیا، جس کے نتیجہ میں قومی زبان کو سخت نقصان پہونچا، اور وہ دوسری زبانوں کے علوم بھی اپنے اندر منتقل کرنے کے قابل نہیں رہی، اور جن لوگوں نے ان علوم کو عربی زبان میں منتقل کرنے کی کوشش کی انہیں دقّت اور ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔

مستشرقین نے ایک سعی لاحاصل یہ بھی کی کہ عربی اور لاطینی زبانوں کے درمیان موازنہ کیا جائے، عربی زبان کے ماہرین اور فضلاء نے اس کے مسموم اثرات کو بروقت محسوس کیا، اس تحریک کا مقصد صرف یہ تھا کہ عربی زبان کو لاطینی میوزیم میں سجا دیا جائے، اور مصری، شامی اور عراقی بول چال اور روزمرہ کو الگ الگ زبانوں کی حیثیت دی جائے، دنیا کے کئی دوسرے خطوں کی طرح ممکن ہے یہ سازش عرب میں بھی کامیاب ہو جاتی، مگر قرآن مجید جو عربی زبان کے لئے "عروة الوثقى" ہے، اس کا وجود اس سازش کی ناکامی کے لئے کافی ثابت ہوا، واقعہ یہ ہے کہ عربی اور لاطینی زبانوں میں تاریخ، حالات اور مسائل، کسی بھی اعتبار سے کوئی مشابہت نہیں ہے، لاطینی زبان مردہ ہو چکی، مختلف زبانوں میں اس کے کچھ اثرات اگر سرایت کر گئے تو اس کے اسباب سیاسی ہیں، مثلاً رومی حکومت کا خاتمہ اور اسکی سیاسی قوت کی بے اثری وغیرہ، جس کی وجہ سے لاطینی زبان اقتدار کے ایوانوں اور خواص کے ماحول سے نکل کر یوں منتشر ہوئی کہ عوام میں کہیں کہیں صرف اس کے وجود کا احساس ہوتا رہا۔ اصل بات یہ ہے کہ مسیحیت عام طور سے مقامی بولیوں کی حوصلہ افزائی کرتی ہے، مشنریاں اپنا کام عوام سے شروع کرتی ہیں، اس لئے ان کا عوامی اور مقامی بولیوں پر توجہ دینا فطری ہے، قرآن کی بلاغت ہی اسلام کی دعوت کی اصلی روح ہے، اور یہ اسی کا اعجاز تھا کہ اس نے تھوڑی سی مدت میں سریانی، قبطی، بربری، حبشی اور آرمی زبانوں کو بے اثر کر دیا۔ درحقیقت مقامی لہجے، عوامی اور

معیاری زبان، نیز لاطینی حروف وغیرہ کی باتیں سب مستشرقین کی سازش کا نتیجہ ہیں۔ جس کے مضر اثرات سے خود ہمارا مغرب زدہ طبقہ بھی محفوظ نہیں رہ سکا، چنانچہ ڈاکٹر محمد کامل حسین نے کہا کہ میں آسان اور سادہ زبان کا حامی ہوں۔ بلاغت کو اب بھول جانا چاہئے، کیونکہ ہم کو اس سے شدید نقصان اٹھانا پڑا ہے، یہ قول اس بات کا غماز ہے کہ لغت کا نہ عقیدہ سے کوئی تعلق ہے اور نہ عربی زبان کا تاریخ اسلام سے کوئی رشتہ ہے، اسکا منشا یہ ہے کہ سائنسی دور اور سائنسی علوم کو بہر طور غالب کیا جائے، اس قسم کی فکری سطحیت، خواہ کیسی ہی کرشمہ سازی کرے وہ بہر حال عقائد و افکار پر ضرب نہیں لگا سکتی، اور نہ اس حقیقت پر پردہ ڈال سکتی ہے، کہ اسلامی انقلاب اور مسلم ثقافت نے عالمی اور انسانی ادب کو عام داستانوں، قصّوں اور افسانوں کی پست سطح سے نکال کر فکری رشد، پاکیزگیٔ عمل، مستحکم نظریات اور ایمان و اخلاق کے مرتبۂ کمال تک پہنچا دیا، اور جب یہ قدریں قرآنی بلاغت سے ہم آہنگ ہوئیں تو انسان کا قلب و نفس، ذوق و شوق کے کیف و وجد سے سرشار و ہم کنار ہوا، اصل بات یہ ہے کہ مستشرقین کو عربی زبان سے یک گونہ عداوت و نفرت ہے، اور اس کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ وہ عربی زبان کی فہم و معرفت سے قاصر اور بلاغت و بیان کی اصطلاحات سے ناواقف ہیں۔ مستشرقین کے اس مرض کے اثرات، ان کے عرب شاگردوں میں بھی سرایت کر گئے، ان کے علاوہ وہ لوگ بھی مستشرقین کے حلقہ بگوش ہوئے، جن کو قرآن اور اسلام سے بغض ہے، اور اسی بنا پر انہیں فصیح عربی سے بھی دشمنی ہے، ان لوگوں میں سے بعض نے عربی زبان اور بعض نے عربی شاعری کی بنیادوں پر تیشہ زنی کو اپنا مشغلہ بنا لیا ہے، در اصل مقامی اور عوامی بولیوں کی حوصلہ افزائی کرنے والے اسلام کے دشمن ہیں، ان کا اوّلین مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو قرآن مجید سے دور کر کے فکرِ اسلامی کی ساری عمارت زمین بوس کر دیں، اور ایک زبان، ایک اسلام اور ایک کتاب کا وہ اصول ہی باقی نہ رہنے دیں، جو مسلمانوں کو وحدت کی لڑی میں پروئے رکھنے کا واحد طاقتور ذریعہ ہے، انہی خطرات کے پیش نظر ۱۹۴۹ء میں مؤتمر عالم اسلامی نے ایک تاریخی قرارداد منظور کی تھی، جس کی رو سے سارے عالم اسلام میں عربی زبان کی

تعلیم کو، قرآن کی زبان ہونے کا لحاظ کرتے ہوئے ضروری قرار دیا گیا تھا۔ یہ بھی فیصلہ ہوا تھا کہ ساری اسلامی زبانوں کا رسم خط عربی ہو۔

مستشرقین نے عربی زبان میں فساد و خرابی پیدا کرنے کے لئے جو مہم چلائی ہے، اس کا نمونہ ہمیں عربی لغت کی کتاب منجد میں بھی ملتا ہے، اس میں اصل عربی زبان میں غیر عربی اصطلاحات کو منظم طریقہ سے داخل اور رائج کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ الفاظ کی تشریح و توضیح میں دانستہ غلط بیانی سے کام لیا گیا، مثلاً لفظ طلقاء کی تشریح میں یہ لکھا گیا کہ وہ لوگ جن کو اسلام میں بہ جبر داخل کیا گیا۔ لفظ ارع، (م، د) کی تشریح میں لکھا ہے کہ معمودیہ کے پانی سے بچہ کو دھونا، حالانکہ معمودیہ، عربی زبان کا لفظ نہیں ہے، بلکہ قبطی لفظ ہے، جو دال کے بجائے ذال سے لکھا جاتا ہے۔ ڈاکٹر مصطفیٰ جواد تحریر فرماتے ہیں کہ منجد کی غلطیاں حد شمار سے باہر ہیں، محض تین سو چوبیس (۳۲۴) غلطیوں کی ہم نے نشاندہی کی ہے، جب کہ ہم نے صرف ضرورت کے وقت ہی منجد دیکھی ہے۔

مستشرقین اور ادب عربی (۲)

مستشرقین میں مارگولیوتھ، کلمان ہوار، گب، نلینو، بروکلمان، بلاشیر، کراتشوفسکی وغیرہ نے عربی ادب کے مطالعہ میں فرقہ باطنیہ اور اخوان الصفا کے ادب کو زیادہ اہمیت دی، اور اس کی روشنی میں یہ فیصلہ کیا کہ ادب عربی میں فارسی فکر اور یونانی ادب کی آمیزش ہے، مارگولیوتھ نے جاہلی شاعری کے بارے میں ایک خود ساختہ نظریہ قائم کیا، ۱۹۲۵ء میں انہوں نے اپنے خیالات کو استشراق کے علمبردار ایک رسالہ میں شائع کیا، ۲۶ء میں اسی مضمون کو طٰہٰ حسین نے اپنی کتاب الشعر الجاھلی میں شامل کر لیا، جس طرح دوسرے اسلامی علوم میں مستشرقین کا ایک مخصوص نظریہ ہے، اسی طرح ادب کو بھی وہ ایک خاص نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ بروکلمان اپنی کتاب الادب العربی میں قرآن کے باب میں لکھتے ہیں، کہ قرآن کے بنیادی اصول نصرانیت سے ماخوذ ہیں لیکن گولڈزیہر کا خیال ہے کہ ان ماخذ کا تعلق یہودیت سے ہے، بعض لوگوں کے نزدیک وہ دونوں سے

ماخوذ ہے، ان کے خیال میں مکی سورتیں نصرانیت سے اور مدنی یہودیت سے تأثر کا نتیجہ ہیں، کیونکہ مکہ میں مسلمانوں کے پڑوسی نجران کے عیسائی تھے، اور مدینہ میں غطفان کے یہودیوں سے ان کا خلا ملا ہوا۔

عربی زبان کے قومی و عوامی ادب پر ان مستشرقین کی خاص توجہ رہی، عشقیہ شاعری، الف لیلہ کے افسانوں اور اغانی کی کہانیوں کو بھی ان لوگوں نے اپنی ادبی تحقیق کا مرکز بنایا، نولدیکی اور مولر نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ مسیحی مبلغوں کے وعظ و پند کا اثر عربوں کی زبان پر آیا، اور پھر ان کے شعری ادب میں نمایاں ہوا، مستشرقین کے مغرب زدہ عرب شاگردوں نے عربی ادب پر فرانسیسی مادی نظریات کو منطبق کر کے غلط نتائج پیش کرنے کی کوشش کی کہ انسان ماحول اور زمانہ کا پابند ہے، وہ مجبور و بے اختیار ہے، وہ ایک مادی حیوان اور جنس اور روٹی کا غلام ہے۔

مستشرقین نے سبعہ معلقات، مقامات حریری، کلیلہ دمنہ، دیوان امرؤ القیس، الف لیلہ اور رسائل اخوان الصفا پر زیادہ داد تحقیق دی، کیونکہ ان پر اس حقیقی عربی ادب کا کوئی اثر نہ تھا، جو قرآن و حدیث کے زیر اثر تھا۔ اسی طرح ان مستشرقین نے عمداً بشار، ابونواس اور ضحاک جیسے شاعروں کے کلام کے احیاء پر زیادہ زور دیا، اور یہ سب تعصب اور اسلام دشمنی کے زیر اثر ہوتا رہا، گب نے عہد جاہلی کو عہد بطولی (دور شجاعت) قرار دیا، مستشرقین کو اسلام سے پہلے کے دور کو عہد جاہلی کا نام دینا بھی گوارا نہیں، بلکہ وہ اسے روشنی، ترقی اور تہذیب و ثقافت کا دور قرار دیتے ہیں۔ اور اسلام کے عہد کو وسعت کے دور سے موسوم کرتے ہیں، تاکہ اس وہم و اشتباہ میں مبتلا کر دیں، کہ اسلام نے کوئی حقیقی انقلاب نہیں برپا کیا، بلکہ وہ محض اپنے سے پہلے کے دور کے تابع ہے۔ لغت کے دائرہ میں انہوں نے یہ وہم پیدا کیا کہ زبانیں دو ہیں شمالی اور جنوبی۔

گب اور نکلسن نے اس بات پر زور دیا کہ عرب دنیا، یونانی تہذیب و ثقافت سے متاثر ہے خصوصاً علم کلام میں وہ مکمل طور پر یونانی تہذیب کی خوشہ چین ہے، اور نحو و بلاغت میں وہ یونانی کے ساتھ فارسی زبان

وتمدن سے بھی متاثر ہے۔

گب کا یہ بھی قول ہے کہ جن لوگوں نے عباسی عہد میں فکر وفن کے پرچم کو سربلند کیا، وہ یا تو مسیحی تھے یا نیم مسیحی، معتزلہ کو بھی وہ اسی حیثیت سے اہمیت دیتے ہیں کہ یہ لوگ یونانی فکر سے متاثر تھے، آل بویہ اور شیعوں کی سیاسی کامیابیوں میں گب یونانی طرز فکر کے اثرات کی نشاندہی کرتے ہیں، وہ موشحات ومقامات کی بھی قدر کرتے ہیں، مگر مملوکی دور کو وہ انحطاط کا دور کہتے ہیں، حالانکہ یہ دور علمی کارناموں اور فتوحات سے پُر ہے، عہد عثمانی کے بھی وہ بڑے نکتہ چین اور اس کے متعلق سخت نفرت وتعصب کا اظہار کرتے ہیں، جدید عربی بیداری کو وہ فرانسیسی حملوں اور مشنریوں کے اثرات کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔

جاک برک اپنی کتاب مختارات من الادب العربی المعاصر میں عربی ادب کی نشأۃ ثانیہ کا سہرا تین عیسائی ادیبوں پطرس بستانی، یازجیان اور جرجی زیدان کے سر باندھتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ یہ روشن مثلث اقلیت سے تعلق رکھتا ہے، بعد میں مسلمان بھی اس میں شامل ہوئے، وہ مہجری ادیبوں مثلاً جبران ونعیمہ کو بھی بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ جدید عربی ادب کی نمایاں شخصیت طٰہٰ حسین ہیں، لیکن ان رایوں کی کوئی وقعت نہیں، کیونکہ وہ اپنے عہد کے خیالی ادب سے متاثر تھے، اسی لئے جب انہوں نے آزاد شاعری اور لویس عوض، حسین فوزی، نجیب محفوظ، اور سعید عقل وغیرہ کی تحریروں کو اہمیت دی تو کوئی بھی ان کا ہم نوا نہ ہوا۔

ڈاکٹر بنت الشاطی نے اپنے ایک تحقیقی مقالہ میں صرف نکلسن کے بارہ میں لکھا ہے کہ عربی فن پاروں کو سمجھنے میں ان سے بے شمار غلطیاں سرزد ہوئی ہیں جن میں سے بعض سے تو صرف نظر کیا جا سکتا ہے، لیکن اکثر غلطیاں وہ ہیں جن سے نکلسن کے مطالعہ وعلم کی بڑی مضحک صورت سامنے آتی ہے۔

مستشرقین اور سنت | سنت وحدیث کے بارہ میں مستشرقین کا نقطۂ نظر بعینہ وہی ہے، جو اس سے پہلے قرآن اور سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق گزر چکا ہے، کیونکہ سنت بھی در اصل سیرت کا جزء

اور قرآن کی تفسیر ہے، اس لئے اسے بھی مشتبہ، مشکوک، جعلی اور کھوٹا قرار دینا ضروری تھا، نومسلم مستشرق ایتان ڈینیہ لکھتے ہیں کہ یہ تصور ہی دشوار ہے کہ سیرت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) لکھتے وقت یا حدیث کا مطالعہ کرتے ہوئے مستشرقین اپنے جذبات وخواہشات سے آزاد رہیں، اسی لئے انہوں نے سیرت نگاری میں اس قدر تحریف سے کام لیا کہ صحیح واقعہ اور اصل حقیقت روپوش ہو گئی، باوجودیکہ ان لوگوں کا دعویٰ یہ تھا کہ وہ معروضی اور غیر جانبدارانہ تنقید اور جدید علمی تحقیق کے اصولوں پر کاربند ہیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ان مستشرقین کے متعدد اعتراضات کا جواب ایتان ڈینیہ نے دیا ہے، ایک مستشرق لامانس کے متعلق وہ لکھتے ہیں کہ لامانس کی علمی شہرت سے لوگوں کو دھوکہ ہو گیا ہے اور انہوں نے ان کو ثقہ سمجھ لیا ہے، حالانکہ وہ اپنی کتابوں میں ایسے دلائل پیش کرتے ہیں، جن میں اکثر مغالطہ آمیز، واقعیت، حقیقت اور تاریخ کے خلاف ہیں، مثلاً وہ لکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خلوت کو ناپسند کرتے تھے، حالانکہ تاریخ سے یہ پوری طرح ظاہر ہے کہ آپ صلعم غار حرا میں تنہا ہی عبادت کرتے تھے، تاکہ آپ اپنے ذہن وشعور کو ایک نقطہ پر مرکوز کرکے اس مادی دنیا سے مکمل یکسوئی حاصل کر سکیں، لامانس نے لکھا ہے کہ آپ صلعم پر نیند کا غلبہ رہتا تھا۔ حالانکہ قرآن میں ہے۔

إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ — بیشک آپ کا رب جانتا ہے کہ آپ دو تہائی رات سے

مِن ثُلُثَيِ اللَّيْلِ وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ — بھی کم اور آدھی رات اور تہائی رات کے وقت اٹھتے ہیں،

لامانس نے آپ صلعم کے پُرخور ہونے کا الزام بھی لگایا ہے، حالانکہ ہر شخص کو معلوم ہے کہ کھانے پینے اور دنیاوی لذتوں سے آپ صلعم کس قدر بے نیاز وبے پروا تھے، لامانس جب بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرامؓ کا ذکر کرتے ہیں تو طعن وتشنیع کا کوئی موقع جانے نہیں دیتے اور سراسر تعصب وعناد سے کام لیتے ہیں، اس کے برخلاف اسلام کے دشمنوں ابوجہل، ابولہب اور منافقوں کی تعریف کرتے ہیں، اور ان کے معاملہ میں انتہائی نرم دکھائی دیتے ہیں، جس کی وجہ سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قاری اپنے دور کے عظیم ہیروؤں کے حالات کا مطالعہ کر رہا ہے، چند ایسے مستشرقین بھی ہیں جو لامانس کی

طرح ہرزہ سرائی نہیں کرتے، بلکہ کبھی کبھی وہ کلمۂ خیر و انصاف بھی کہہ دیتے ہیں، مثلاً کارلائل اور ہنری ڈی کاسٹری جن کا بیان ہے کہ عقل حیران ہے کہ قرآن کی آیات کا صدور ایک امّی انسان سے کیسے ہوا، سارا مشرق اس بات کا معترف ہے کہ لفظاً و معنیً کسی بھی طرح سے اس قسم کی آیتیں پیش کرنے سے انسانی فکر قاصر ہے، محمد (صلعم) نے قرآن کو اپنی رسالت کی تصدیق کے ثبوت کے طور پر پیش کیا، جو آج تک ایک ایسا راز ہے جس کے طلسم کو توڑنا محال ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اس قسم کے خیالات رکھنے والے مستشرقین کی تعداد بہت کم ہے۔

اب ہم مستشرقین کے اس شبہ کا ذکر کرتے ہیں کہ حدیث کی تدوین تاخیر سے ہوئی، یعنی دوسری صدی ہجری کے آغاز میں تدوین حدیث کا عمل شروع ہوا جس سے مسلمانوں کو حدیث کے ذخیرہ میں کمی یا بیشی کرنے اور اپنے اغراض کے مطابق حدیثوں کو گھڑ لینے کا موقع ملا، گولڈ زیہر، ڈوزی اور اسپرنگر اسی قسم کے خیالات کے ترجمان ہیں، گولڈ زیہر کو اس بات کی صحت میں شک ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بہت سے صحیفوں کا وجود تھا، انہیں اس پر بھی کلام ہے کہ لوگوں کے سینوں میں حدیثیں محفوظ رہیں، اور وہ ثقہ راویوں کو ضعیف قرار دینے پر بھی مصر ہیں۔ اور یہ بھی ثابت کرتے ہیں کہ حدیث کو مدوّن کرنے والوں نے صرف انہی روایتوں کو جمع کیا ہے، جو ان کے اپنی ذاتی اغراض و خواہشات کے مطابق تھیں، اسپرنگر کا بھی یہی خیال ہے کہ تدوین حدیث کا عمل دوسری صدی ہجری میں شروع ہوا، اور ان حدیثوں کی روایت زبانی ہوئی، ڈوزی حدیثوں کی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت کے ہی منکر ہیں۔

ان مستشرقین کے اعتراضات و شبہات کی علمی و تاریخی تردید ہوتی رہی ہے، جس سے ان کا تار و پود بکھر چکا ہے، یہاں ہم ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی کا ایک بیان نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ احادیث رسول کو یاد رکھنے اور ان کی نقل و روایت پر صحابۂ کرام نے انتہائی توجہ دی، پھر ان کے بعد تابعین و تبع تابعین کا یہی طرز عمل رہا، ان لوگوں نے حدیثوں کو جمع کرنے اور ان کی روایت کرنے ہی کو کافی نہیں سمجھا، بلکہ انہیں

تحریف اور کمی و زیادتی کے ہر شائبہ سے محفوظ بھی رکھا۔ ان حضرات نے اس سلسلہ میں بے نظیر اور غیر معمولی جہد و کاوش کی، اور جعلی اور غلط روایتوں اور جھوٹے اور وضّاع راویوں کا پتہ لگانے میں حیرت ناک دماغ سوزی کا ثبوت دیا، غلط اور گھڑی حدیثوں کی پہچان کے لئے سخت ضابطے اور اصول مقرر کئے، اور انتہائی محنت کے بعد احادیث کے ذخیرہ کو صاف کرکے ان کو صحیح کتابوں میں شامل کیا، اگر تدوین حدیث کے ان سارے مراحل کا دقتِ نظر سے جائزہ لیا جائے، تو مستشرقین کے تمام اعتراضات بے اصل معلوم ہوں گے، اور یہ ثابت ہو جائے گا کہ انہوں نے علم و تحقیق کے ساتھ کیسا مذاق اور کھیل کیا ہے، اور ذاتی بغض و عناد کی بنا پر تاریخ کا مرتبہ کس درجہ گرا دیا ہے۔

ان مستشرقین کی علمی دیانت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ "معراج بنی عباس" نام کی ایک عامیانہ پُر از خرافات کتاب کو، جس کا کوئی علمی مقام نہیں ہے، وہ انتہائی اہمیت دیتے ہیں، اور اس کا موازنہ صحیفۂ خداوندی سے کرتے ہیں۔

ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی نے یورپ کے طویل سفر میں مستشرقین کی معیت میں متعدد یونیورسٹیوں کا مشاہدہ کیا تھا، جس کے بعد انہوں نے مستشرقین کے مندرجہ ذیل اغراض و مقاصد کی نشاندہی کی ہے۔

(۱) نصوص کو اپنے خود ساختہ نظریۂ فکر اور من مانی خواہشات کے مطابق اور تابع کر دینا۔

(۲) بالقصد و بالارادہ نصوص میں تحریف کر دینا۔

(۳) تحریف کی گنجائش نہ ہونے کی صورت میں عبارت کا غلط مطلب نکالنا۔

(۴) مآخذ و مصادر کے بارہ میں اپنا ذاتی فیصلہ تھوپنا، چنانچہ وہ ادبی کتابوں سے حوالے نقل کرکے اسے حدیث کے مباحث میں چسپاں کر دیتے ہیں، اور کتب تاریخ کے حوالے دیکر انہی کے مطابق فقہی مسائل میں اپنا فیصلہ صادر کرتے ہیں، اس کے نتیجہ میں وہ دمیری کی کتاب الحیوان کی روایتوں کو تو صحیح قرار دیتے ہیں، مگر امام مالکؒ کی مؤطا کی روایتوں کی تکذیب کرتے ہیں۔

مستشرقین اور اسلامی قانون شریعت

چونکہ اسلام کی غرض وغایت ہی اسلامی شریعت ہے، اس لئے مستشرقین کی نگاہ غلط انداز وفتنہ ساز سے یہ گوشہ بھی مخفی ومستور نہیں رہا، چنانچہ لامانس، مارگولیوتھ، گولڈزیہر، رینان، کوداں اور دوسرے مستشرقین نے اسلامی شریعت میں بھی دراندازی کرکے اس میں شکوک وشبہات پیدا کئے ہیں، اور اس میں تضاد وتناقض ثابت کیا ہے، یہ لوگ اسلامی قانون کے مطالعہ میں محقق کے بجائے واعظ بن جاتے ہیں، اور مسلمانوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کی پستی اور تنزل کی واحد وجہ اسلامی شریعت وقانون ہے، جو ان کی ترقی، کامیابی اور بیداری وسرفرازی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے، اسلامی شریعت کو زمانہ اور ماحول کے مطابق ہونا چاہئے، زمانہ کی تبدیلیوں کے ساتھ اس میں بھی تبدیلی آنی چاہئے، حالانکہ اسلامی شریعت، خدائے حکیم کی مقرر کردہ ہے، جو معاشرہ کے امن وسکون اور حقیقی فوز وفلاح کی ضامن اور اپنے مشمولات ومضمرات اور جزئیات وتفصیلات کے اعتبار سے نہایت وسیع، کشادہ اور ہمہ گیر ہے، اور جس کی ساخت میں ایسی لچک ہے جو زمانہ اور ماحول کے تغیرات کو بطریق احسن قبول کرتی ہے، اسی بنا پر اس کے اصل اور راسخ اصولوں میں کسی تبدیلی کی ضرورت ہی نہیں، قرآن، حدیث، سیرت، اور دوسرے اسلامی موضوعات کی طرح اسلامی شریعت کے بارہ میں بھی یہ مستشرقین تضاد رائے بلکہ پراگندگی افکار کے شکار ہیں، ان کا دعوی کبھی یہ ہوتا ہے کہ وہ تمام تر عربوں کے عرف وعادت کا مجموعہ ہے، اور یہ انتہائی غلط اور باطل دعوی ہے، شاخت وغیرہ کے اس قسم کے خیالات کو علمائے اسلام نے پوری طرح لغو ثابت کردیا ہے۔ اس سے بڑھ کر ان کا خطرناک دعوی یہ ہے کہ اسلامی شریعت، دراصل رومی قوانین سے ماخوذ ومستعار ہے، یہ دعوی بھی سراسر باطل ہے، ۱۹۳۷ء میں لاہے میں قانون کی ایک بین الاقوامی کانفرنس میں باقاعدہ ایک قرارداد میں اس کی وضاحت کی گئی کہ اسلامی شریعت ایک مستقل بالذات شئے ہے جس کا رومی قانون سے کوئی تعلق نہیں، اس طرح قانون وانصاف کے بین الاقوامی اداروں میں شریعت اسلامی کی نمائندگی قبول کرنی پڑی۔

اسلامی شریعت کی بحث میں مستشرقین نے دین ودنیا کی تقسیم اور حکومت ومذہب کی تفریق کا مسئلہ بھی اٹھایا ہے، وہ کہتے ہیں کہ اسلام تو چند مخصوص عبادات کا نام ہے، اسے معاشرہ کے انتظام اور سیاست وحکومت سے کوئی تعلق نہیں ہے، گویا وہ اسلام کو اپنے دین مسیحی پر قیاس کرتے ہیں، جبکہ دین اور سیاست کی دوئی کی پالیسی سے چنگیزی باقی رہ گئی ہے، اگر یہ مستشرقین واقعی اسلامی شریعت کا دیانتدارانہ تجزیہ کرتے تو انھیں یہ اعتراف کرنے میں تامل نہ ہوتا کہ اسلام اپنی خصوصیت اور مزاج کے اعتبار سے ایک دین حیات بھی ہے اور نظام حیات بھی، اور ان دونوں میں تفریق وفصل کی کوئی گنجائش نہیں، ان لوگوں نے البتہ دین ودنیا کے درمیان اس لئے حد فاصل قائم کی ہے کہ اسلامی معاشرہ میں اسلامی قوانین کے بجائے ان کے وضع کردہ قانون کی حکمرانی اور بالادستی قائم رہے، جس کے نتیجہ میں وہ کبھی اسلامی معاشرہ پر منطبق ہی نہ ہوسکے۔

اوپر گزر چکا ہے کہ مستشرقین کے ایک طبقہ کا یہ کہنا ہے کہ اسلامی شریعت، رومی قوانین سے ماخوذ ہے، علماء نے اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے شریعت اور قانون کے عمیق ودقیق فرق کی وضاحت کی ہے، اور بتایا ہے کہ شریعت جسم اور روح میں کوئی فرق نہیں کرتی، بلکہ ان میں سے ہر ایک کی پوری رعایت کرتی ہے، کیونکہ انسان ان دونوں کا مجموعہ ہے، وہ یہ بھی واضح کرتے ہیں کہ فقہ اسلامی کے دائرہ بحث میں عبادات، معاملات اور عقوبات وغیرہ شامل ہیں، جبکہ رومی قوانین کا موضوع اشخاص اور ان کے باہمی خصومات ہیں، اسلامی قانون کا سرچشمہ وہ کلام الٰہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب وحی کیا گیا۔ اور رومی قانون انسانی عقل کی کارفرمائی کا نتیجہ ہے، اسلامی قانون کا خلاصہ وعطر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے، رومی قانون کا دارومدار سربراہ حکومت یا عرف عام پر ہے، رومی قوانین کی کتابیں دستور وقانون، امور مملکت اور نظام حکومت کے ضابطوں کو امور سیاست قرار دیتی ہیں، جبکہ فقہائے اسلام کے نزدیک مسلمانوں کا امام جس طرح ان کی نماز جماعت کا امام ہوتا ہے، اسی طرح وہ ان کا سربراہ حکومت بھی ہوتا ہے، قتل کے جرم میں مسلمانوں

کے یہاں نیت کے اعتبار سے قتل عمد اور قتل خطا کی سزائیں دیت اور قصاص کی صورت میں مرتب ہوئی ہیں، لیکن رومی قوانین میں ایسی کوئی وضاحت نہیں، اسلام میں قتل، زنا، چوری، بہتان، شراب خوری اور ارتداد کے حدود کی نوعیت بھی یہی ہے، جبکہ رومی قوانین میں زنا، بہتان اور شراب نوشی حرام نہیں ہیں، اس لیے ان کی کوئی سزا ہی نہیں ہے۔

———

علمائے اسلام نے ان شبہات کا بھی جواب دیا ہے جو شاخت اور گولڈ زیہر وغیرہ کے پیدا کردہ ہیں، کہ اسلامی عائلی، دیوانی اور جرائم وعقوبات کے قوانین قبائلی نظام سے ماخوذ و مستفاد ہیں، شیخ ابوزہرہ نے اس غلط نظریہ اور اس کے پس پشت تعصب وعناد کی حقیقت عالمانہ انداز سے بیان کی ہے۔

———

مستشرق ولہاوزن اور ان کے بعد کیتانی، بیکر، ڈیل اور گارڈ فمن نے یہ الزام تراشی کی ہے، کہ عربوں نے جب دوسرے ممالک کو فتح کیا تو اس وقت وہ مالیات واقتصادیات اور ٹیکس وغیرہ کے نظام و مسائل سے بالکل ناآشنا تھے۔ ولہاوزن کا خیال ہے کہ انہوں نے اپنے مفتوحہ علاقوں سے غیر منظم طریقہ سے ٹیکس وصول کیے، اور پھر ایرانی ورومی نظام قانون کو اختیار کرلیا، اس اعتراض کا بھی جواب دیا گیا کہ عرب اسلامی حکومت کے قیام سے ہی مالیات کے نظام سے بخوبی واقف تھے، اور بجز چند خاص صورتوں کے انھوں نے اپنے مفتوحہ علاقوں سے کبھی کوئی ظالمانہ ٹیکس وصول نہیں کیا، اگر ٹیکس یا جزیہ لیا گیا تو باقاعدہ وباضابطہ طریقہ سے، جس کی وصولی اور حساب کا علیحدہ نظام تھا، اور حالات وواقعات کے لحاظ سے اس میں کمی وزیادتی بھی ہوتی تھی، اور یہ سب مرکز خلافت کی خاص اور کڑی نگرانی میں ہوتا تھا۔

مستشرقین نے خراج کی امہات کتب شائع کیں، یحییٰ بن آدم اور امام ابویوسف کی کتاب الخراج کو بھی شائع کیا، جو پہلے بھی چھپی تھیں، لیکن ۱۹۶۳ء میں امام ابویوسف کی کتاب الخراج کا جو نیا ایڈیشن ان مستشرقین کے اہتمام میں شائع ہوا ہے، وہ معتبر اور لائق اعتماد نہیں ہے، کیونکہ یہ ان کی تحریف اور قطع وبرید سے محفوظ نہیں رہ سکا، اور اس سے ان کے اغراض اور نیتوں کا پتہ چلتا ہے، انھوں نے اپنے خود ساختہ

نظریات کے مطابق اسلامی قانون خراج کو ڈھالنے کی کوشش کی ہے اور اس کی ایسی بگڑی اور مسخ تصویر پیش کی ہے جو تمام تر ان کے نظریات اور اغراض کے تابع نظر آتی ہیں۔

مستشرقین اور سیرت نبوی ﷺ

حقیقۃً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت ہی مستشرقین کی ہرزہ سرائی، دسیسہ کاری اور خردہ گیری کا اصل محور ومرکز ہے، اس بارہ میں ان کا رویہ کبھی بڑا جارحانہ ہوتا ہے، اور کبھی وہ مغالطہ آمیز نرم لہجہ اختیار کرتے ہیں، ڈاکٹر کامل عیاد لکھتے ہیں کہ یورپ میں قرون وسطیٰ سے سترہویں صدی عیسوی تک اسلام کے بارہ میں عجیب وغریب خرافات اور داستانیں مشہور رہی ہیں، جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک، سب سے زیادہ سب وشتم کا نشانہ بنائی گئی ہے، بعد میں یورپ نے مذہبی تعصب سے آزاد ہونے کا اعلان اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ بھی مسلمانوں کی طرح سیرت رسول ﷺ کا مطالعہ کرنا چاہتا ہے، اٹھارہویں صدی میں کچھ مغربی اہل قلم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کو مجروح کرنے سے پرہیز کیا، اور آپ ﷺ کے معاملہ میں عدل وانصاف کا رویہ اختیار کیا (گو یہ عمل تادیر قائم نہ رہ سکا) ان لوگوں نے یہ اعتراف کیا ہے کہ اکثر مستشرقین کا یہ عام شیوہ ہے کہ وہ حقیقت پر پردہ ڈال کر اسلام کے حقیقی چہرہ کو داغدار اور مسخ کرتے رہے ہیں۔ مستشرق گلیوم بوسٹل نے سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مسیحی نقطہ نظر سے جائزہ لیا، میشیل بوڈیہ نے کلیسا کے مصادر سے اپنی معلومات کو آب ورنگ بخشا، ہوٹینگر نے سیرت کو پیش کرتے وقت مسیحی مشنری کے فریضہ کو انجام دیا، کچھ لوگوں کی نظر انتخاب میں صرف وہی واقعات آسکے، جن میں ان کے لیے طنز وتشنیع کی گنجائش تھی، مزید براں انھوں نے انہیں اپنی جانب سے بہت کچھ مضحک اور بے سروپا واقعات بھی شامل کردیئے، جن آیتوں میں مسیحیت کا ذکر تھا، ان پر خصوصی توجہ دی گئی، اور انجیل وقرآن کے مابہ الاختلاف واقعات کو بیان کرکے قرآن مجید کی حقانیت پر تمسخر کیا گیا، اس طرح وہ علمی سنجیدگی کے دعووں کے باوجود صلیبی شرانگیزی کی روش پر ہی قائم رہے۔

ان مستشرقین کی تحریروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے چند واقعات کے

متعلق سب کے خیالات یکساں ہیں، مثلاً بحیرا راہب، ورقہ بن نوفل اور قس بن ساعدہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کی ملاقات کا ذکر کر کے سب عجب اور دور از کار نتائج اخذ کرتے ہیں، یہ لوگ بحیرا راہب سے آپؐ کے ایک مدت
تک دینی تعلیم اخذ کرنے کا ذکر کرتے ہیں، حالانکہ اس حقیقت سے یہ واقف نہیں ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بحیرا
سے دس گیارہ سال کی عمر میں ملے تھے۔ اور یہ سن وسال ایسا نہیں ہے کہ اس میں آپ کوئی تعلیم حاصل کرتے
چہ جائے کہ دینی مسائل کا استیعاب واستقصا کرتے۔ پھر آپؐ کی ان سے ملاقات صرف ایک بار ابوطالب کی
موجودگی میں ہوئی تھی، عقل محو تماشا ہے کہ صرف اس تھوڑے سے وقت میں بحیرا نے ایک بچہ کو کیسے اسقدر
فیضیاب کیا، اور آپؐ نے کس طرح ان تعلیمات کو بالاستیعاب یادداشت میں محفوظ رکھکر تقریباً تیس برس[30]
کے بعد اپنی رسالت کی صورت میں پیش کیا، لیکن مستشرقین کے علمی ذوق کو اس سے کیا سروکار، انہیں تو محض
بہتان تراشی کرنی تھی، ورقہ بن نوفل کو یہ لوگ نصرانیت کے ایک داعی کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں، حالانکہ ورقہ
ایک موحد شخص تھے، اور انہوں نے اس کی خبر دی تھی کہ آپ وہی ہیں، جن کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام
نے دی تھی، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اخذ واستفادہ کیا ہوتا تو مشرکین مکہ ہی نہیں بلکہ تمام لوگوں
میں فوراً یہ خبر عام ہوتی جو ان کے حق میں ایک عمدہ حربہ ہوتی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کو مجروح کرنے اور آپ کی عالمگیر اور دائمی رسالت میں شک و
شبہہ پیدا کرنے کے لئے ان مستشرقین کا ایک خاص اور اہم اعتراض یہ ہے کہ آپ نے متعدد شادیاں کی
تھیں، اس سے وہ آپ کے جنسی پہلو اور شہوت رانی کو نمایاں کرنا چاہتے ہیں، لیکن مادہ پرست یورپ کے یہ دانشور
اس حقیقت کو بھول جاتے ہیں کہ آپ کی متعدد بیویاں اس وقت تھیں جب آپ کا سن پچاس برس سے بھی تجاوز
کر چکا تھا، علاوہ ازیں آپؐ نے تبلیغی ودعوتی مصالح کے پیش نظر کئی شادیاں کی تھیں، ورنہ آپکی جوانی کی عمر کا
بڑا حصہ ایک ہی حرم کے ساتھ گزرا۔

اسی طرح مستشرقین نے وحی کو بھی اپنا تختۂ مشق بنایا ہے، وہ اسے آپؐ کی نفسیاتی وعقلی کمزوری

اور بیماری کا نام دیتے ہیں۔ خالص مادہ پرست ہونے کی بنا پر یہ لوگ وحی کی حقیقت کے فہم وادراک سے
عاجز وقاصر ہیں وحی کی کیفیات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حامل وحی حضرت جبرئیلؑ کے تعلقات
کی نوعیت کو یہ لوگ نہیں سمجھ سکے اور نہ ان حدیثوں کے مفہوم سے آگاہ ہو سکے جن میں حالات وکیفیات
وحی بیان ہوئی ہیں، اس لئے انھوں نے اس کی نہایت غلط توجیہ کی ہے۔

کچھ مستشرقین اس نرم لہجہ سے اپنی بات شروع کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانے کے
تقاضوں اور اپنے ماحول کے چیلنجوں کی نباضی کی اور ان میں اصلاح ودرستگی کی سعی بھی کی، گویا آپؐ کی
حیثیت دنیا کے عام مصلحین اور لیڈروں کی طرح ایک مصلح، انقلاب وحریت کے علمبردار اور معاشرتی، سماجی
واجتماعی انصاف کے داعی کی ہے، اور آپ صرف ایک ریفارمر تھے، اس قسم کی رائے زنی کا اصل سبب
یہ ہے کہ ان لوگوں نے وحی اور پیغام الٰہی کی کنہ وکیفیت سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی، یا کی تو وہ اس میں عاجز
وقاصر رہے، اس کے علاوہ بعض دوسرے اسباب بھی غلط فہمی کا باعث بنے ہیں، جن کا اجمالی ذکر اوپر
ہو چکا ہے، یعنی نصوص اور اصل عبارتوں میں تحریف، مذہبی تعصب، اسلام اور مسلمانوں سے کد وعناد
اور اپنی مرضی کے مطابق تشریح وتفسیر، اور دیدہ ودانستہ حق سے چشم پوشی، فریب اور لوگوں کو گمراہ
کرنے کی عادت وغیرہ۔ مارگولیوتھ نے سیرت رسولؐ پر ایک ضخیم کتاب لکھی، جس میں محققین نے بہت
زیادہ غلطیوں کی نشاندہی کر کے ان کی اصل وجہ یہ بیان کی ہے کہ مارگولیوتھ واقعات کی تعبیر اپنی مرضی
سے کرتے ہیں، غلط مفروضے قائم کرتے ہیں، اس کے علاوہ انہیں عربی زبان کا ناکافی علم تھا۔ لامانس
نے خاص طور پر تحریف نصوص کے عمل کو اپنایا ہے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ پیدائش
تک میں تحریف کر ڈالی ہے، اور بلا کسی مستند تاریخی ثبوت کے حضرت فاطمہ زہراؓ کی پاک سیرت کو بھی عیب
دار بنانے کی کوشش کی ہے، اسی لئے ان کا علمی مقام اب خود مستشرقین کی نگاہ میں ساقط ہو چکا ہے، اور
انھوں نے ان کی مضحک غلطیاں پیش کر کے ان کی بے اعتبار تحریروں سے محتاط رہنے کی تلقین کی ہے۔

محمد کامل عیاد کا بیان ہے کہ مستشرقین کی اکثریت محض اپنے مذہبی تعصب کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کی قدر و قیمت پہچاننے سے قاصر رہی ہے، ان میں ایک قلیل تعداد ایسے لوگوں کی ضرور ہے جو مذہبی تعصب کی عینک سے واقعات کو نہیں دیکھتی ہے، لیکن وہ بھی اپنے نظریۂ تاریخ میں اس حد تک مبالغہ کرتے ہیں، جس کی وجہ سے سیرت رسول صلعم کی روشن اور شفاف تصویر غبار آلود ہو جاتی ہے۔

ایک مستشرق ذیڈ، ایف بوڈلی ہیں، جنکی تصنیف سیرت رسول صلعم کا ترجمہ عربی میں بھی ہوا ہے، یہ کتاب بھی، اغلاط و اوہام سے پُر ہے، مثلاً وہ لکھتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) بتوں کی عبادت کرتے تھے اور آپ صلعم کے حصہ میں ان بنی ہاشم کی وراثت آئی تھی، جو کعبہ کے بتوں کے محافظ تھے، آپ نے اپنے دور دراز کے متعدد سفروں میں راہبوں سے اور سوق عکاظ میں واعظوں سے مواد و معلومات فراہم کیں، بوڈلی نے بحیرا راہب اور ورقہ بن نوفل وغیرہ سے بھی آپ کے متاثر ہونے کا ذکر کیا ہے، اور ازواج مطہرات رض کے باب میں بھی داد تحقیق دی ہے، ان کا دعویٰ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شام، یمن، فلسطین، ایران اور ایشائے کوچک کی سیاحت کی۔ خدا جانے وہ کون سے تاریخی حوالے ہیں جن کی بنیاد پر بوڈلی نے آپ کے کثرت سفر کا ذکر کیا ہے، جب کہ مورخین کا اتفاق ہے کہ آپ نے دو یا تین بار صرف شام کا سفر کیا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مستشرقین کی کتابوں کے ایڈیشن ضرور نئے ہوتے ہیں، لیکن ان کے مضامین کی فرسودگی و پامالی میں ذرا فرق نہیں آتا، نومسلم مستشرق ایتان ڈینیہ نے اسی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ مستشرقین تقریباً تین چوتھائی صدی تک اس کوشش اور بحث و تمحیص میں لگے رہے کہ کچھ ایسے نازک اور دقیق گوشے دریافت کریں، جن سے جمہور مسلمانوں کے متفق علیہ ذخیرہ سیرت کو مسمار کر دیں، مگر وہ آج تک ایک نئی بات بھی دریافت کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے، بلکہ اگر ہم پورے یورپ کے مستشرقین کے کارناموں کا بنظر غائر جائزہ لیں تو سوائے غلطیوں اور غلط بیانیوں کے کچھ بھی نظر نہیں آئے گا، البتہ یہ حقیقت سامنے آئیگی کہ ان لوگوں نے اپنی ساری کوشش و کاوش اس میں صرف کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کو مسخ کر دیا جائے، اس کے لئے انھوں نے

غیر مستند اور موضوع حدیثوں سے بھی مدد لی ہے، اور مستند واقعات و روایات کی ایسی توجیہ کی ہے، جن سے خلاف واقعہ اور غلط نتائج نکلتے ہیں، اسی طرح مشکوک و مشتبہ روایتوں اور محدثین کے ضعیف و مرجوح اقوال کو اچھالنے کی کوشش کی ہے یا حدیثوں کے بعض اجزا نکال کر انہیں دوسرے رنگ میں پیش کیا ہے، جیسا کہ مارگولیوتھ نے ایک روایت کے اس جز یعنی انما حبب الی فی دنیا کم الطیب والنساء (تمہاری دنیا میں خوشبو اور عورتیں میرے لئے محبوب بنائی گئی ہیں) تو بیان کر دیا لیکن حدیث کے دوسرے حصہ وجعلت قرۃ عینی فی الصلوٰۃ (اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے) کو حذف کر دیا، تاکہ یہ ظاہر ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا پر کس قدر فریفتہ تھے۔

مقالات شبلی جلد ششم

یورپ کے مستشرقین نے اسلام، شارع اسلام صلعم اور تاریخ اسلام کے متعلق اپنی کتابوں میں جو اعتراضات کئے ہیں، ان کا دفاع بھی مولانا شبلیؒ کا ایک مستقل مشن تھا، انہی کی کتابوں کو دیکھ کر ان کو سیرۃ النبی صلعم لکھنے کا خیال پیدا ہوا تھا۔ اس سلسلہ میں انہوں نے مستشرقین کے رد میں بہت سے مضامین لکھے، مثلاً حقوق الذمیین اور الجزیہ وغیرہ، انہی میں ایک مضمون کتب خانہ اسکندریہ پر بھی ہے، جس کے جلائے جانے کا الزام بھی مستشرقین، مسلمانوں پر نہایت ڈھٹائی سے عائد کرتے چلے آرہے تھے، مولانا نے معاصر تاریخوں کی مدد سے مدلل طور پر یہ ثابت کیا ہے، کہ اسکندریہ کا بیش قیمت کتب خانہ مسلمانوں کے فاتحانہ حیثیت سے مصر میں داخل ہونے سے صدیوں پہلے جلایا جا چکا تھا، تاریخ کے اس سنگین واقعہ سے مسلمانوں کا سرے سے کوئی تعلق نہیں ہے، مقالات شبلیؒ کی جلد ششم اسی قسم کے مضامین پر مشتمل ہے، انہی میں مذکورہ بالا مضمون یعنی کتب خانہ اسکندریہ بھی ہے

قیمت گیارہ روپیے

مینیجر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور شعر و سخن کی قدردانی

از عبید اللہ کوٹی، ندوی، رفیق دار المصنفین

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی مجموعۂ خصائص و کمالات و محاسن تھی۔ آپ فصاحت و بلاغت تعبیر اور بیان میں بھی یکتا تھے۔ اس لئے شعر و ادب کے ناقدین و ماہرین بھی آپ کے سامنے سرنگوں اور یہ کہنے کے لئے مجبور ہو جاتے تھے۔

ومن اولی منہ بالفصاحۃ وحق بالایجاز[1]	فصاحت و ایجاز میں آپ سے بڑھ کر کون ہو سکتا ہے۔

انبیاء علیہم السلام خلق کی اصلاح و رہنمائی کے لئے مبعوث کئے گئے تھے۔ اس لئے فصاحت و بلاغت اور گویائی میں بھی کامل ہوتے تھے، ورنہ لوگ نہ ان کی بات سمجھ سکتے تھے اور نہ ان پر اتمام حجت ہو سکتا تھا، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب نبوت کا منصب جلیل عطا ہوا، تو آپ نے خداوند قدوس سے یہ دعا کی:

وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِي يَفْقَهُوا قَوْلِي (طٰہٰ: ۲)	خداوندا میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ لوگ میری بات سمجھ لیں۔

لیکن پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو بارگاہ الٰہی سے قوت گویائی اور زبان و بیان کی خوبی بچپن ہی میں ودیعت کردی گئی تھی، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے پورے عرب کی سیر کی اور فصیح عربوں کا

[1] العمدہ ج ۱ ص ۱۶۹۔

کلام سنا، لیکن میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کسی کو فصیح نہیں پایا۔[1] ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ کی گفتگو نہایت واضح اور جامع ہوتی تھی۔ اس میں نہ کوئی تعقید ہوتی اور نہ اس میں کوئی لفظ کم و بیش یا بلا ضرورت ہوتا۔[2] آپ ٹھہر ٹھہر کر گفتگو کرتے، اس سے آپ کا وقار بھی ظاہر ہوتا، اور گفتگو کا وزن بھی بڑھ جاتا تھا۔[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنی نبوت کا اعلان فرمایا تو کفار نے مشہور کردیا کہ آپ کو جنون ہو گیا ہے، یہ عیب سن کر ایک صاحب خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، جنہیں زمانۂ جاہلیت میں بھی آپ کی رفاقت و صحبت میسر تھی۔ اور وہ جھاڑ پھونک بھی کیا کرتے تھے۔ انھوں نے آپ کی باتیں سن کر فرمایا کہ میں نے کاہنوں اور جادوگروں کی باتیں اور شاعروں کا کلام سنا ہے، لیکن میرے کانوں نے آپ سے زیادہ فصیح بات کبھی نہیں سنی تھی۔[4]

عرب کے ہر ہر قبیلہ کو اپنی فصاحت و بلاغت پر ناز تھا، مگر تمام عرب میں قریش اور بنو ہوازن کا کوئی ہمسر اور ہم پایہ نہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اول الذکر سے نسبی تعلق تھا، اور بنو ہوازن میں آپ کی پرورش ہوئی تھی، آپ خود بھی تحدیث نعمت کے طور پر فرماتے تھے کہ:

انا اعرب العرب[5]	میں عربوں میں زبان کے لحاظ سے سب سے زیادہ فصیح ہوں
انا اعربکم انا من قریش ولسانی لسان بنی بکر بن سعد[6]	میں تم میں سب سے زیادہ فصیح ہوں۔ میں قریشی ہوں اور میری زبان بنو بکر بن سعد کی زبان ہے۔

[1] السراج المنیر شرح الجامع الصغیر ج ۲ ص ۶۵، [2] ترمذی ابواب الشمائل ج ۲ ص ۸۷، [3] طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۳۷۵ [4] مسلم باب تخفیف الصلوٰۃ ج ۱ ص ۳۲۲ [5] الطبرانی، السراج المنیر ج ۲ ص ۶۵۔ [6] طبقات ابن سعد، السراج المنیر ج ۲ ص ۶۶

ایک اور موقع پر فرمایا:

بعثت بجوامع الکلم [1] — میں جوامع کلمات کے ساتھ بھیجا گیا ہوں۔

اسی لئے زبان و بیان کے لحاظ سے بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم درحقیقت سید العرب اور سید الفصحاء تھے اور اس فصاحت و بلاغت میں آپ کی دلنواز اور باوقار شخصیت نے مزید حسن تاثیر اور عظمت پیدا کر دی تھی، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے زندگی کے ہر شعبہ میں فکر و نظر کے زاویے بدلے، شعر و ادب کے نقد و نظر کا معیار بھی تبدیل ہوا، موضوعات شعری میں تنوع اور وسعت پیدا ہوئی، چنانچہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ اسلامی شعراء نے دور اسلام میں بلاغت اور ادبی ذوق کے جو نمونے پیش کئے ہیں، وہ نابغہ، عنترہ، ابن کلثوم، زہیر، علقمہ اور طرفہ وغیرہ شعرائے جاہلیت کے مقابلہ میں بدرجہا بلند حیثیت رکھتے ہیں۔[2]

یہ واقعہ ہے کہ شعر و ادب کے حاملین کو خواہ وہ دور جاہلیت کے ہوں یا دور اسلام کے، بارگاہ نبوت سے بھی فیض ملا ہے، اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شعر و ادب کے بارے میں بھی واضح رہنمائی فرمائی ہے، شعر کے بارے میں فرمایا:

الشعر بمنزلة الکلام فحسنه کحسن الکلام وقبیحه کقبیح الکلام [3] — شعر اپنی ہیئت کے اعتبار سے، ایک کلام ہے، اچھا اور برا دونوں طرح کا۔

ایک موقع پر چند اشعار سن کر ارشاد فرمایا:

ان من البیان لسحرا [4] — بیان و گفتار بھی ایک جادو ہے،

متعدد ارشادات نبوی سے شعر و سخن کے مقاصد کی بھی وضاحت ہوتی ہے، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے، دیکھا کہ مجلس میں قرآن کے پہلو بہ پہلو شعر و سخن کا سماں بھی بندھا ہوا ہے،

---

۱ بخاری، مسلم، نسائی، سراج منیر ۱۴۳/۲۔ ۲ مقدمہ ابن خلدون ص ۶۶۲۔ ۳ طبرانی، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۲۲، ۴ مسند احمد و ابوداؤد۔ جمع الفوائد ج ۲ ص ۱۹۶۔

تعجب سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! قرآن بھی اور شعر و سخن بھی؟ فرمایا:

روحوا القلوب ساعة فساعة [1] — کبھی کبھی (شعر و سخن سے) دلوں میں نشاط و سرور پیدا کر لیا کرو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے غزل کے چند اشعار پڑھ کر فرمایا کہ اس طرح کے اشعار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھے جاتے تو آپ اعتراض نہ فرماتے،[2] کعب بن زہیر نے بارگاہ رسالت میں اپنا مشہور قصیدہ پڑھا، تو اس کے ابتدائی تیرہ [۱۳] اشعار غزل کی زبان و اسلوب میں تھے، اس کے بعد پچیس [۲۵] شعر میں اپنی اونٹنی کے اوصاف اور سفر کے احوال کا بیان تھا، ان اٹھاون [۵۸] شعروں کے اس قصیدے میں آٹھ [۸] اشعار خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر انصار کی مدح و تعریف میں کہے گئے تھے۔[3]

بہت سے انسانی تجربات اور قیمتی افکار، شعروں کے ذریعہ محفوظ رہ گئے ہیں، عقل و دانش کا یہ خزانہ جو شعری پیکر میں، سینوں اور سفینوں میں ایک امانت کے طور پر موجود ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سیکھنے کی ہدایت فرمائی، ارشاد ہوا کہ:

ان من الشعر حکمة [4] — کچھ شعر مجسم حکمت ہوتے ہیں

ان من الشعر حکما [5] — کچھ اشعار حکمت و دانش کا خزینہ ہوتے ہیں۔

بہت سے قیمتی خیالات زبان شعر سے ادا ہو کر ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں، ان کو خاص طور پر یاد رکھنے کی تعلیم فرمائی، فرمایا:

تعلموا من الشعر حکمه وامثاله [6] — دانش و حکمت والے اور ضرب المثل

---

۱ ابوداؤد عن انس رض، ۲ البزار۔ جمع الفوائد ج ۲ ص ۱۶۸، ۳ ابن ہشام ج ۲ ص ۳۳۱، ۴ بخاری و ابوداؤد۔ جمع الفوائد ج ۲ ص ۱۶۶ ۵ مسند احمد و ابوداؤد۔ جمع الفوائد ج ۲ ص ۱۹۶ ۶ الدیلمی فی مسند الفردوس۔ کنوز الحقائق ج ۱ ص ۱۰۶ للامام عبد الرؤف المناوی۔

اشعار سے علم اور واقفیت پیدا کرو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شعر کو جہاد اور شاعر کو مجاہد بننے کا حوصلہ دیا۔ اور اسے پاکیزہ بننے اور ناحق کے خلاف اپنی ادبی و شعری صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کی دعوت دی ہے، حضرت کعب رضی اللہ عنہ بن مالک نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! شعر و سخن کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ فرمایا:

ان المؤمن یجاھد بسیفہ ولسانہ [1]

مومن تلوار سے بھی جہاد کرتا ہے اور زبان (شعر و ادب) سے بھی۔

ایک اور موقع پر ارشاد ہوا:

ولکن القوم اذ انصروا نبیّھم باسیافھم فبالسنتھم احقّ ان ینصروہ [2]

لوگوں نے تلوار کے ذریعہ اپنے نبی کی مدد کی تو وہ زبان کے ذریعہ مدد کے تو زیادہ مستحق ہیں

زبان کی صحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس درجہ مطلوب تھی کہ آپ نے زبان و ادب کی اصلاح و تعلیم کو بھی پیکر شعری کا ایک فائدہ قرار دیا، چنانچہ فرمایا:

تعلّموا الشعرَ فانّہ یُعرِبُ السنتکم [3]

شعر و سخن سے واقفیت پیدا کرو، وہ تمہاری زبانوں کو شستہ اور پاکیزہ بنائے گا۔

"یُعرِبُ" کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ اس سے تمہاری زبانیں خالص عربی ہو جائیں گی، لیکن یہ اس وقت ہے، جب کہ خالص عربی اشعار سے شغف ہو، اور اگر "الشعر" کا لحاظ کیا جائے تو معنی یہ ہوں گے، کہ شعر و سخن کی تعلیم (خواہ وہ کسی بھی زبان کے ہوں) زبان میں صفائی، شستگی اور پاکیزگی کا سبب ہوتی ہے،

---

[1] الاستیعاب لابن عبدالبر کما فی زجاجۃ المصابیح ج ۴ ص ۵۴ اور مسند احمد کما فی روح المعانی ج ۱۹ ص ۱۲۱،
[2] مصنف عبدالرزاق ج ۱۱ ص ۲۶۳ ،[3] الدیلمی فی مسند الفردوس کما فی الجامع الصغیر۔

اس لئے اشعار سے علم و واقفیت پیدا کرنے کی ہدایت کی گئی۔ معاشرہ میں خیر اور صداقت کی اشاعت و ترویج کے لئے اسلوب شعری کی تاثیر کے بارے میں ارشاد ہوا کہ:

فانہ اشد علیھم من رشق النبل [1]

اہل باطل کے لئے وہ تیر و تفنگ سے بھی زیادہ مؤثر ہے۔

آپ نے حسن اسلوب کی اہمیت کو نظر انداز نہیں فرمایا، بلکہ ایک موقع پر جب آپ سے پوچھا گیا کہ:

فیما الجمال ؟

حسن کا موقع و محل کیا ہے؟

تو آپ نے فرمایا:

فی اللسان یرید البیان [2]

اسے زبان یعنی اسلوب بیان میں ظاہر ہونا چاہیے

البتہ شعر کی بلندی اور پاکیزگی کے لئے اس کا مفید اور ضامن خیر ہونا ضروری ہے، چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح طور پر شعر کو خیر کا خادم بنایا، اور اسے تعمیری مقاصد کے لئے ادبی ترکتازیوں کی مہم پر لگایا۔

عربوں میں شعر و سخن کا ذوق عام تھا خود خاندان عبدالمطلب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا مردوں اور عورتوں میں کوئی ایسا نہ تھا جس نے شعر نہ کہے ہوں، [3] عربوں کے اس ذوق شعری کے بارے میں آپ نے ارشاد فرمایا:

لا تدع العرب الشعر حتی تدع الابل الحنین [4]

عرب شاعری نہ چھوڑیں گے یہاں تک کہ ان کے اونٹ اپنا شوق و اضطراب ترک کر دیں ــــ یعنی کبھی نہیں۔

انصار مدینہ کے بارے میں فرمایا:

---

[1] مسلم شریف۔ زجاجۃ ج ۴ ص ۵۴ ، [2] العمدہ ج ۱ ص ۱۶۱ ، [3] العمدہ ج ۱ ص ۱۲۴ ، [4] احیاء علوم الدین ج ۳ ص ۱۲۳ ۔

اوما علمتم ان الانصار قوم — کیا تمہیں معلوم نہیں کہ انصار وہ لوگ ہیں

فیهم غزل [1] — جنکے مزاج میں آہنگ شعری موجود ہے،

ایک مرتبہ فرمایا:

ان ھذا الحی من الانصار یحبون — انصار کا قبیلہ نغمہ و آہنگ کو پسند

الغناء [2] — کرتا ہے۔

شعر جاہلی کیطرف توجہ

ادب جاہلی اپنی بہت سی خرابیوں کے باوجود عربوں کے ماضی کا ایک ادبی اور تاریخی سرمایہ تھا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی حفاظت کے لئے مختلف طریقے اختیار فرمائے، ایک موقع پر حسان بن ثابت رض سے فرمایا:

أنشدنی قصیدۃ من شعر الجاهلیة — وہ جاہلیت کی کوئی نظم سناؤ، کیونکہ جاہلی

فان اللہ قد وضع عنا آثامها فی — شاعری اور اس کی روایت کے گناہ

شعرها و روایتها [3] — (اور مضرتوں) کو اللہ نے ہم سے دور کردیا۔

جابر بن سمرہ رض کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں میری سو بار سے زیادہ نشست رہی، صحابۂ کرام آپس میں شعر پڑھتے، اور دور جاہلیت کی کسی بات کا چرچا ہوتا، آپ خاموش رہتے، اور بسا اوقات انکے ساتھ آپ بھی تبسم فرماتے [4]

عمرو بن الشرید رض سواری پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، آپ نے فرمایا تمہیں امیہ بن ابی الصلت (مشہور دشمن اسلام) کے بھی کچھ اشعار یاد ہیں؟ عمرو رض کہتے ہیں کہ میں نے اثبات میں جواب دیا، تو آپ نے سننے کی خواہش ظاہر فرمائی، میں سناتا رہا، آپ بار بار مزید سننے کی فرمائش کرتے رہے، یہاں تک کہ میں نے

۱؎ مشکوٰۃ باب اعلان النکاح۔ ۲؎ ایضاً۔ ۳؎ دلائل الاعجاز ص ۱۶۔ ۴؎ ترمذی شریف، جمع الفوائد ج ۲ ص ۱۶۷۔

آپ کو سو شعر سنائیے۔ [5]

عمرو بن مسلم خزاعی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک جاہلی شاعر سوید بن عامر کے درج ذیل شعر سنائے [6]

لا تأمنن وان امسیت فی حرم — ان المنایا بجنبی کل انسان

واسلک طریقک تمشی غیر مختشع — حتی تلاقی ما یمنی لک المانی

فکل ذی صاحب یوماً مفارقه — وکل زاد وان ابقیته فانی

والخیر والشر مقرونان فی قرن — بکل ذالک یاتیک الجدیدان

۱۔ حرم میں بھی موت سے اپنے کو محفوظ نہ سمجھو کیونکہ وہ ہر ایک کو چن لیتی ہے،

۲۔ فروتنی کا اظہار کئے بغیر اپنی راہ پر خوب اترا کر چلتے رہو۔ یہاں تک کہ خدا نے جو انجام مقدر کردیا ہے، اس سے دوچار ہو جاؤ۔

۳۔ ہر آدمی کسی دن اپنے رفیق سے جدا ہو جائے گا، اور جو پونجی تم نے رکھ چھوڑی ہے وہ بھی ختم ہو جائیگی،

۴۔ نیکی اور بدی ہم رشتہ ہیں جنہیں رات اور دن اپنے ہمراہ لے کر آتے ہیں۔

ایک شخص نے حضرت ابوہریرہ رض کے سامنے درج ذیل اشعار پڑھے، اور ان کی رائے دریافت کی:

طاف الخیالان فهاجا سقما — خیال سلمیٰ وخیال تکتما

قامت تریک رهبة ان تهضما — ساقا بخنداة وكعبا أدرما

۱۔ سلمیٰ اور تکتم کے خیالوں نے بیمار دل میں اور زیادہ سوزش پیدا کردی۔

۲۔ وہ بھری پنڈلیاں اور نازک قدم دکھا کر اٹھی کہ تمہارے دل میں اپنی بے تعلقی کا اندیشہ پیدا کردے،

یہ شعر سنکر حضرت ابوہریرہ رض نے کہا کہ زمانۂ رسالت میں ہم اس طرح کے اشعار پڑھا کرتے تھے، اور

۵؎ مسلم شریف جمع الفوائد ج ۲ ص ۱۶۶، ۶؎ طبرانی کبیر اور البزار۔ جمع الفوائد ج ۲ ص ۱۶۸۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر معترض نہ ہوتے۔[1]

جاہلی شعراء کا کلام سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی تبصرہ بھی فرماتے چنانچہ امیہ بن ابی الصلت کے بارے میں فرمایا:

وکاد یسلم فی شعرہ[2]	شعروں میں تو یہ مسلمان معلوم ہوتا ہے۔

اور ایک بار فرمایا:

آمن لسانہ وکفر قلبہ[3]	اسکی زبان مومن ہوگئی ہے لیکن دل کافر ہے

سوید بن عامر کے اشعار سن کر فرمایا:

لو ادرکنی ھذا لاسلم[4]	اگر یہ مجھ کو پاتا تو یقیناً اسلام قبول کر لیتا

معلقات کے شعراء میں سے عنترہ بن شداد امرؤ القیس، اعشیٰ، زہیر بن ابی سلمیٰ، طرفۃ العبد اور لبید کے بارے میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تبصرے فرمائے ہیں، وہ بھی لائق توجہ ہیں۔

عنترہ بن شداد، اپنی بہادری، خودداری اور زورِ کلام میں خاصی شہرت رکھتا ہے۔ بہادری اور جواں مردی میں تو اسے ضرب المثل کی حیثیت حاصل ہے۔ اس کا کلام سننے کے بعد ارشاد فرمایا:

ما وصف لی اعرابی قط فاحببت	دیہات کے لوگوں میں عنترہ ہی ایک ایسا
ان اراہ الا عنترہ[5]	شخص ہے جس کا میرے سامنے ذکر ہوا اور
	یہ خواہش ہوئی کہ اسکو دیکھ لیتا۔

امرؤ القیس جو معلقات کا اولین شاعر ہے، اپنے اسلوب کی بلاغت، شوکتِ الفاظ اور شکوہِ بیان کے لئے مشہور ہے، لیکن اس کی شاعری فحش گوئی اور غیر اخلاقی مضامین سے داغدار ہے۔ اس کا ادب تعمیر کے

---

[1] الطبرانی کما فی مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۲۸ والبزار کما فی جمع الفوائد ج ۲ ص ۱۶۵، [2] مسلم، جمع الفوائد ج ۲ ص ۱۶۶ [3] طبقات الشعراء لابن قتیبہ ص ۲۶۹ [4] طبرانی کبیر والبزار۔ جمع الفوائد ج ۲ ص ۱۶۸، [5] الاغانی ج ۳ ص ۹۴۱

بجائے تخریب کی طرف مائل ہے، اور اس میں تخریب پسندی کی ساری خرابیاں موجود ہیں، اس کے بارے میں فرمایا:

امرؤ القیس صاحب لواء الشعراء	امرؤ القیس دوزخ میں جانے والے شعراء
الی النار[1]	کا علم بردار ہے۔
امرؤ القیس قائد الشعراء الی	امرؤ القیس دوزخ کی طرف جانیوالے شاعروں
النار لانہ اول من احکم قوافیہا[2]	کا رہبر ہے، اس لئے کہ وہ پہلا شاعر ہے جس نے
	شعر کے قوافی کو محکم کیا،

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا:

رجل مذکور فی الدنیا شریف فیہا	(امرؤ القیس) دنیا میں مشہور اور معزز رہا، لیکن
منسی فی الآخرۃ خامل فیہا یجیٔ	آخرت میں نظر انداز کر دیا جائے گا، بے نام
یوم القیامۃ معہ لواء الشعراء	ونشان ہو جائیگا، قیامت کے دن جہنم کیطرف
الی النار[3]	جانے والے شعراء کا علم لے کر آگے
	آگے جائے گا۔

اعشیٰ، سبعہ معلقہ کا ایک ممتاز شاعر ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے دو قصیدوں کی نقل و روایت سے منع فرمایا، ایک میں اہل بدر کی مذمت تھی اور دوسرے میں عامر اور علقمہ کی ہجو، ان قصیدوں میں اس نے اپنے مشرکانہ خیالات کا بھی اظہار کیا تھا، تاہم اسی روایت سے یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ اس کے بقیہ اشعار کی نقل و روایت کی اجازت بھی تھی علقمہ کی ہجو والے قصیدہ کا واقعہ بھی دلچسپ ہے۔ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے وہ قصیدہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

---

[1] مسند احمد والبزار۔ جمع الفوائد ج ۲ ص ۱۶۵، [2] ابن عساکر والبو عروبہ فی الدلائل اور ابن قتیبہ ص ۵۱،
[3] طبقات ابن قتیبہ ص ۵۲

لا تعن تنشدن فی ھٰذہ القصیدۃ　　اس نشست کے بعد اب پھر کبھی میرے سامنے

بعد مجلسک ھٰذا　　یہ قصیدہ نہ دہرانا۔

انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مشرک جو قیصر کے یہاں ٹھہرا ہوا ہے، اسکی ہجو اور مذمت سے آپ مجھے باز رکھنا چاہتے ہیں؟ فرمایا: خدا کا شکر گزار بندہ وہی ہے، جو آپس میں بھی ایک دوسرے کا شکر گزار اور قدرشناس ہو، قیصر (شاہ روم) نے ابو سفیان بن حرب سے (جو اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے) میرے بارے میں پوچھا، تو انہوں نے حرف گیری کی اور غلط فہمی پیدا کی لیکن جب قیصر نے علقمہ سے پوچھا تو (مسلمان نہ ہونے کے باوجود) اس نے ابو سفیان کی تردید کی، اور ان کی غلط بیانی کا راز فاش کیا۔[1]

معلقات کا ایک اور شاعر زہیر بن ابی سلمیٰ بعثت نبوی کے وقت موجود تھا، وہ کافی بوڑھا ہو چکا تھا، کچھ بعید نہ تھا کہ وہ بھی شیطانوں کے بہکاوے میں آ کر کوئی ایسی بات کہہ جائے، جو دعوتِ اسلامی کی راہ میں دور رس رکاوٹ ثابت ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اس وقت دیکھا، جب وہ سو برس کا تھا، آپ نے دعا فرمائی:

اللھم أعذنی من شیطانہ　　اے اللہ مجھے اس کے شیطان سے پناہ عطا فرما

چنانچہ۔ فما لاک بیتا حتی مات[2]　　پھر وہ موت تک ایک شعر بھی نہ کہہ سکا۔

اسی سلسلے کے شعراء میں طرفۃ العبد کو بھی بڑی شہرت ملی، وہ اگرچہ اپنی رندی، شاہد بازی اور عیش پسندی کی وجہ سے ہلاک ہوا، مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

کلمۃ الحکمۃ ضالۃ المؤمن اینما　　حکمت کی بات مومن کی متاع گم گشتہ ہے۔

وجدھا فھو أحق بھا[3]　　جہاں ملے وہاں سے حاصل کرنیکا زیادہ مستحق ہے

---

۱ دلائل الاعجاز ص ۱۶ و نہایۃ ابن اثیر ج ۳ ص ۲۲۳ مجمع البحار ج ۳ ص ۲۲۳، ۲ الاغانی ج ۱۰ ص ۱۲۰۲، ۳ ترمذی ابواب العلم ج ۲ ص ۹۳۔

اسی لئے خود آپ ص کی زبان حکمت ترجمان سے ایک موقع پر اس کا یہ شعر سنا گیا۔

ستبدی لک الایام ما کنت جاھلا　　ویاتیک بالاخبار من لم تزود[1]

ترجمہ:- "زمانہ جلد ہی ان چیزوں سے باخبر کر دے گا، جن سے تم ناواقف ہو۔ اور تمہارے پاس خبریں لے کر وہ آئے گا جس کو تم نے کوئی زاد راہ نہیں دیا ہے۔"

معلقات کے شعراء کی آخری یادگار لبید رض تھے، جو بعد میں دولت اسلام سے بھی مشرف ہوئے، حضرت ابوہریرہ رض کہتے ہیں، کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اصدق کلمۃ قالھا الشاعر کلمۃ　　سب سے زیادہ سچی بات جو کسی شاعر نے

لبید: ألا کل شیء ما خلا اللہ باطل[2]　　کہی وہ لبید کا قول ہے ألا کل شیء

ما خلا اللہ باطل۔

یہ تبصرہ لبید رض کے حق میں کاشانۂ نبوی ص کی طرف سے ایک بڑا اعزاز تھا، اور اس بات کا مظہر بھی کہ شعر وسخن کی آبرو کذب و دروغ نہیں، بلکہ حقیقت نگاری اور صداقت شعاری ہے۔

دور نبوت کے شعراء

حکیم بن حزام کہتے ہیں کہ وہ یمن کے سفر سے لوٹے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک قیمتی جوڑا بھی ساتھ لیتے آئے، ان کی خواہش تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زیب تن فرمائیں، مگر آپ ص نے ہدیہ لینے کے بجائے اسے قیمتاً خریدا، اور جب اس یمنی لباس میں زینت آرائے بزم ہوئے، تو حکیم بن حزام کہتے ہیں کہ "اس پوشاک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جتنے خوبصورت نظر آئے اتنا خوبرو میں نے کسی کو کبھی نہیں دیکھا، آپ ماہ کامل کی طرح دمک رہے تھے، آپ کو دیکھ کر بے اختیار میری زبان پر یہ شعر جاری ہو گیا"

ما تنظر الحکام فی الفصل بعدھا　　بدا واضح من غرۃ وحجول

اذا قایسوہ المجد اربی علیھم　　کمستفرغ ماء الذناب سجیل

---

۱ جمع الفوائد ج ۲ ص ۱۶۶، ۲ بخاری، مسلم و ترمذی۔ جمع الفوائد ج ۲ ص ۱۶۴۔

۱. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی تابناک پیشانی اور سرو قد نور میں ڈوبے ہوئے ظاہر ہوئے تو آپ کے سامنے تاج وتخت والے بادشاہوں کی کوئی رونق نہ رہی۔

۲. آپ پیکر نور ہیں، جب سامنا ہوتا ہے تو آپ دوسروں سے خوب تر معلوم ہوتے ہیں۔

یہ اشعار سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیئے۔[۱]

حکیم بن حزام اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے، مگر عقیدت اور محبت کا یہ عالم تھا کہ دولت اسلام سے مشرف ہونے میں کچھ دیر نہ لگی۔

عبداللہ بن رواحہؓ نے ایک مرتبہ یہ اشعار پڑھے:

وفینا رسول اللہ یتلو کتابہ — اذا انشق معروف من الفجر ساطع
ارانا الھدی بعد العمی فقلوبنا — بہ موقنات ان ما قال واقع
یبیت یجافی جنبہ عن فراشہ — اذا استثقلت بالمشرکین المضاجع

۱. ہمارے درمیان خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو کتاب اللہ کی اس وقت تلاوت کرتے ہیں جب سپیدۂ صبح نمودار ہوتا ہے۔

۲. آپ نے ہمیں اس وقت راہ دکھائی جب ہم کچھ نہ دیکھ پاتے تھے، اس بنا پر ہمیں یقین ہے کہ جو بھی آپ نے فرما دیا ہے، وہ ہو کر رہے گا

۳. وہ رات اس طرح گزارتے ہیں کہ جسم اطہر بستر سے علاحدہ رہتا ہے، جب کہ مشرکین کے بارے بستر بوجھل ہوئے جاتے ہیں؛

(خصوصاً آخری شعر کے پیش نظر، صحابۂ کرام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا؛

"تمہارے بھائی نے ناشائستہ بات نہیں کہی۔"[۲]

---

۱ کنز العمال ج ۷ ص ۱۶۴ والطبرانی نحوہ کما فی مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۷۸۔ ۲ بخاری۔ جمع الفوائد ج ۲ ص ۱۶۷،

آپ کے محبوب چچا حضرت عباس بن عبد المطلبؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میرا جی چاہتا ہے کہ آپ صلعم کی توصیف کروں، اجازت ملی اور انھوں نے یہ اشعار پڑھے:

من قبلھا طبت فی الظلال وفی — مستودع حیث یخصف الورق
وانت لما ولدت أشرقت الأ — رض وضاءت بنورک الأفق
فنحن فی ذالک الضیاء وفی النو — ر وسبل الرشاد نخترق

۱. آپ پیدائش سے قبل رحمت الٰہی کے سایہ میں اور جنت کی اس آرامگاہ میں تھے جہاں درخت کی پتیاں بھی آپ کے وجود سے سرشار تھیں۔

۲. اور جب آپ پیدا ہوئے تو دنیا جگمگا اٹھی، اور آپ کے نور سے افق عالم روشن ہو گیا

۳. ہم اسی روشنی میں زندگی گزار رہے ہیں، اسی نور کا اجالا ہے اور راہ ہدایت ہے جو ہم پر روشن ہو چکی ہے

یہ اشعار سن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لا یفضض اللہ فاک[۱] — اللہ آپ کی زبان کو ہمیشہ گویا رکھے۔

بعض صحابہؓ نے بارگاہ رسالت میں اپنے خیالات زبان شعر کے ذریعہ پیش کئے، غزوۂ حنین میں مویشیوں اور مال غنیمت کی تقسیم کا معاملہ درپیش تھا، جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کی درخواست پر جب اپنی نگرانی میں تقسیم فرمایا، تو ابوسفیان، صفوان، عیینہ بن حصن بن بدر اور اقرعؓ بن حابس میں سے ہر ایک کو سو سو اونٹ ملے، مگر عباس بن مرداس کے حصہ میں سو سے کم اونٹ آئے، گو خود قریش کے کئی لوگوں کا حصہ بھی سو سے کم تھا، تاہم عباس نے اپنے حصہ میں کمی پر بے اطمینانی کا اظہار کیا، اور درج ذیل اشعار کہے:

اتجعل نھبی ونھب العبید — بین عیینۃ والأقرع

---

۱ مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۱۷۔

وما کان بدر ولا حابس	یفوقان مرداس فی المجمع
وما کنت دون امرئ منهما	ومن تضع الیوم لا یرفع

۱- اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ میرا اور میرے غلاموں کا حاصل کیا ہوا مال عیینہ اور اقرع کے درمیان تقسیم فرمادیں گے۔

۲- حالانکہ (ان کے باپ) بدر اور حابس (میرے باپ) مرداس سے محفلوں میں برتر اور فائق نہ تھے،

۳- اور میں بھی ان دونوں سے کمتر نہیں اور آج آپ جس کی حیثیت کو کم کردیں گے، وہ اس سے اوپر نہ جاسکے گا۔

یہ اشعار سن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عباس رضؓ بن مرداس کو بھی سو اونٹ عنایت فرمادیئے[۱] وہ فتح مکہ سے کچھ پہلے ایمان لائے تھے، اور ان لوگوں میں تھے، جنہوں نے طویل عرصہ تک اسلام، مسلمانوں اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اور مقابلہ میں حصہ لیا تھا، اس لئے مؤلفۃ القلوب میں سمجھے جاتے تھے، اس لئے آپ خود ان کی دلداری فرمانا چاہتے تھے،[۲] مگر اس کے باوجود انہیں شکایت ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا شکوہ سن کر صرف اس قدر فرمایا کہ:

أتقول فيّ الشعر	کیا میرے بارے میں بھی شعر کہتے ہو؟

انھوں نے معذرت کی اور کہنے لگے کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان! بات یہ ہے کہ جب شعر انگڑائی لیتا ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے، جیسے زبان پر چیونٹیاں چل رہی ہوں اور جس طرح چیونٹیاں کاٹتی ہیں ایسے ہی مجھے بھی تحریک ہوتی ہے، اور کچھ کہنے کے لئے مجبور ہو جاتا ہوں۔

عباس کی اس خوش کلامی کو سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیئے۔[۳]

---

[۱] مسلم - طبقات الشعراء ابن قتیبہ ص ۴۷۵، ابن ہشام ج ۲ ص ۳۲۰ آخر الذکر نے دیگر تفصیلات بھی دی ہیں، [۲] تہذیب ج ۵ ص ۱۳۰، [۳] احیاء علوم الدین ج ۲ ص ۱۲۴۔

سعد رضؓ بن معاذ ممتاز انصاری صحابی تھے، ان کی جانکنی کے وقت رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا سر اپنی گود میں رکھ لیا جس سے لوگوں کو بھی اندازہ ہو گیا کہ ان کا آخری وقت آپہنچا ہے، سعد رضؓ کی والدہ نے یہ منظر دیکھا تو رو پڑیں، ایک طرف وہ روتی جاتی تھیں اور دوسری طرف بار بار یہ شعر بھی پڑھتی جاتی تھیں

ویل امك سعدا	حزامة وجدا

ترجمہ: اے سعد تیری ماں پر افسوس، ہوشمند ہے اور سنجیدہ۔

کسی نے ان سے کہا، سعد پر شعر کہتی ہو؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

دعوها فغیرها من الشعراء	انہیں اپنے حال پر چھوڑ دو شعراء
أكذب[۱]	تو اس سے بھی زیادہ لغو بیانی کرتے ہیں۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کہتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نعل مبارک کو گانٹھ رہے تھے، اور میں سوت کات رہی تھی۔ پیشانی مبارک پر پسینہ کے چند قطروں نے جمال جہاں آرا کو اور زیادہ روشن کر دیا، میں اس حسن و جمال پر متحیر تھی جس کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے بھانپ لیا تو میں نے عرض کیا، کہ آپ کو ابو کبیر ہذلی دیکھتا تو اپنے اشعار کا اصل مستحق آپ ہی کو قرار دیتا۔ فرمایا، وہ اشعار کیا ہیں؟ میں نے دو[۲] شعر پڑھے:

ومبرأ من كل غبر حيضة	وفساد مرضعة وداء مغيل
واذا نظرت إلى أسرة وجهه	برقت كبرق العارض المتهلل

۱- اور وہ ولادت کے سلسلے کے تمام عوارض اور دودھ پلانے والی دایہ کی تمام بیماریوں سے پاک ہیں۔

۲- اور جب میں نے ان کے روئے تاباں پر نگاہ ڈالی تو وہ اس طرح روشن تھا، جیسے ابر میں

---

[۱] طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۴۲۶۔

بجلی کوندتی ہو۔

یہ اشعار سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے، میری پیشانی کو بوسہ دیا اور فرمایا: اے عائشہ! اللہ تمہیں جزائے خیر دے، تم سے زیادہ تو مجھے خوشی ہوئی (ماسررت منی کسرور ی منک)[1]

ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے چند شعر پڑھے، گویا کوئی سوال کرنا چاہتا ہو

اقبلت فلاح لها　　عارضان کالسبج

ادبرت فقلت لها　　والفؤاد فی وهج

هل علیّ ویحکما　　ان عشقت من حرج

۱. وہ آئی تو اس کے رخسار سیاہ کمبل کی طرح روشن تھے۔

۲. واپس ہوئی تو میں نے اس سے کہا اور دل میں آگ بھڑک رہی تھی۔

۳. کیا اگر میں عاشق ہو جاؤں تو اس میں میرا کوئی قصور ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لا۔[2] نہیں (یعنی احساس اور تاثر تو ایک فطری چیز ہے)

اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ بارگاہ رسالت (صلی اللہ علیہ وسلم) میں عام آدمی اور غیر معروف شاعر بھی، بڑی آزادی اور بے تکلفی سے اپنے جذبات و خیالات کا اظہار کر دیا کرتے تھے، اور توحید و آخرت کے پہلو بہ پہلو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ادب و نفسیات کے مسائل بھی زیر بحث آجاتے۔

علاء بن الحضرمی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تمہیں کچھ اشعار یاد ہیں، انہوں نے آپ کے سامنے یہ شعر پڑھے:

حی ذوی الاضغان تسب عقولهم　　تحیتک الحسنی وقد یرقع النعل

---

[1] البیہقی فی دلائل النبوۃ ـ احیاء العلوم ج ۲ ص ۱۲۳　[2] الرسالۃ القشیریۃ ص ۱۸۰

فان دحسوا بالکرہ فاعف تکرما　　وان خنسوا عنک الحدیث فلا تسل

فان الذی یؤذیک منه سماعه　　وان الذی قالوا وراءک لم یقل

۱. تمہارے اچھے برتاؤ سے دشمن قبیلہ کا بغض اور کینہ دور ہو سکتا ہے جس طرح پھٹے ہوئے جوتے کو گانٹھا جاتا ہے۔

۲. اگر وہ شر انگیزی کریں تو از راہ شرافت معاف کر دو، اور اگر وہ پوشیدہ طریقہ سے گفتگو کریں تو جستجو اور دریافت میں نہ پڑو۔

۳. ان باتوں کا سننا ہی تمہارے لئے تکلیف کا سبب ہے، اور پس پردہ انہوں نے کچھ کہہ لیا ہو تو گویا کچھ بھی نہ کہا۔

علاء بن الحضرمی کے یہ اشعار سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان من الشعر لحکما و روی لحکمة[1]　　کچھ اشعار دانش و حکمت ہیں

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے اکثر فرماتے کہ اپنے پسندیدہ اشعار سناؤ، چنانچہ میں یہ اشعار پڑھتی:

ارفع ضعیفک لا یحر بک ضعفه　　یوما فتدرکه العواقب قد نما

یجزیک او یثنی علیک وان من　　اثنی علیک بما فعلت کمن جزی

ان الکریم اذا اردت وصاله　　لم تلف رثا حبله واهی القوی

یہ زہیر بن خباب کے اشعار ہیں جو ان تین جاہلی شعراء میں ہے، جو بادہ نوشی کی کثرت کی وجہ سے انتقال کر گئے،[2] ابن قتیبہ نے طبقات صفحہ ۲۲۵ میں، اور عبدالقاہر جرجانی نے دلائل الاعجاز میں صرف دو شعر ہی نقل کئے ہیں، اور واقعہ کی تفصیلات میں بھی تھوڑا فرق ہے۔ شعروں کا ترجمہ یہ ہے:

---

[1] العمدہ ج ۱ ص ۱۷　[2] ابن قتیبہ ص ۲۲۴۔

۱۔ اپنے احسان کو جاری اور سربلند رکھو۔ کارِ نیک کو معمولی دیکھ کر چھوڑ نہ دو کہ انجام کار بات بڑھ جائے۔

۲۔ تم جس پر احسان کرتے ہو وہ بدلہ دے گا، یا تمہارا ثنا خواں ہوگا، اس کی تعریف تمہارے احسان کا ایک معاوضہ ہی تو ہے۔

۳۔ شریف آدمی سے اگر تعلق پیدا کرنا چاہو گے، تو اس کی جانب سے بھی رشتۂ تعلق کو مضبوط اور پائدار پاؤ گے۔

یہ اشعار سن کر ارشاد فرمایا کہ اے عائشہ!

"قیامت کے دن خدا اپنے بندہ سے جس پر کسی نے احسان کیا ہو، یہ پوچھے گا کہ کیا تو نے شکریہ ادا کر دیا؟ وہ کہے گا کہ اے پروردگار! تیری طرف سے جان کر میں تیرا ہی شکر گزار ہوا تھا، خدا فرمائے گا کہ تو شکر گزار نہیں ہوا اگر اس بندہ کا بھی شکریہ ادا نہ کیا جس کو میں نے واسطہ بنایا تھا۔"[1]

نابغہ جعدی زمانۂ جاہلیت کے بڑے شعراء میں ہیں بلکہ نابغہ ذبیانی (صاحبُ المعلّقات) سے بھی افضل اور بڑھ کر ہیں، خدا نے انھیں دولت اسلام عطا کی، اور صحابیت کے شرف سے سرفراز ہوئے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ چند شعر پڑھے، آپ نے پسند فرمایا:

بلغنا السماء مجدنا وثراءنا / وانا لنرجو فوق ذالک مظهرا

(ہماری عزت اور ثروت آسمان کی بلندیوں تک جا پہنچی ہے اور ہم اگلی منزل کی توقع رکھتے ہیں)

یہ شعر سن کر فرمایا:

"ابو لیلیٰ! یہ مظہر (منزل)، کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: "جنت" فرمایا: ہاں، ان شاء اللہ"

نابغہ نے اس کے بعد پڑھا:

ولا خیر فی حلم اذا لم یکن له / بوادر تحمی صفوه ان یکدرا

[1] الطبرانی۔ مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۸۱۔

ولا خیر فی جهل اذا لم یکن له / حلیم اذا ما اورد الامر اصدرا

۱۔ بردباری خوش آیند نہیں اگر تندی اور جوش ہمراہ نہ ہو جو چہرہ کی رونق کو بزدلی کے الزام سے بچائے۔

۲۔ جسارت بھی بھلی ہے، اگر عقل دوراندیش کی نگہبانی میں ہو کہ جرأت کی وجہ سے کہیں کود پڑے تو عقل دور اندیش آدمی کو واپسی کی راہ پر لے آئے۔

یہ اشعار سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أجدت لا یفضض فاك[1] — خوب کہا، اللہ تمہارے دہن کو گویا رکھے۔

یعلیٰ کہتے ہیں کہ میں نے دعائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ برکت دیکھی کہ نابغہ کی عمر ۱۰۰ سو سے اوپر ہو چکی تھی، اور ان کا ایک دانت بھی نہ گرا تھا۔[2]

ایک شاعر مازن بن غضوبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے ان کے سامنے دعوت اسلام پیش کی، وہ ایمان لے آئے تو انہوں نے اپنا حال زار یوں بیان کیا:

"میں نغمہ، بادہ نوشی اور عشق کی آگ میں جلنے والی عورتوں کا شیدائی ہوں، مجھ پر ایسے بدترین سال گزرے کہ دولت جاتی رہی، اور تھنوں کا دودھ خشک ہو گیا (و أهزلت الذراری) میرے گھر کوئی زینہ اولاد بھی نہیں، دعا فرمائیے کہ خدا میری مصیبت دور کردے۔ مجھے شرم و حیا بخشے اور بیٹا عنایت ہو۔"

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی:

"اے اللہ! اسے ساز و مضراب کے بدلہ تلاوت قرآن کی توفیق عطا فرما، حرام کے عوض حلال، بدکاری کی

[1] ابو نعیم فی الدلائل ص ۱۶۴۔ بزار نے أجدتَ کے بجائے أحسنتَ نقل کیا ہے، دیکھئے جمع الفوائد ج ۲ ص ۱۶۸۔ [2] البیہقی والبزار۔ البدایۃ ج ۶ ص ۱۶۸۔

جگہ پاک دامنی اور بادۂ خمر کے بدلے ایسی آسودگی اور سیری عطا فرما، جس میں کوئی گناہ نہ ہو، شرم وحیا کو اس پر سایہ فگن فرما اور اس کو بیٹا بھی عنایت کر۔

مازن کہتے ہیں کہ میرے شعور واحساس کی دنیا بدل گئی اور مصیبتیں دور ہو گئیں، خدا نے ایک بیٹا عنایت فرمایا، جس کا نام حبار بن مازن ہے۔[1]

عمرو بن مرہ جہنی شرک کی آلودگیوں سے پاک ہو کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور اپنے خیالات کا اظہار اس طرح کیا:[2]

شهدت بان الله حق وانني	لآلهة الاحجار اول تارك
وشمرت عن ساق الازار مهاجرا	اليك اجوب الوعث بعد الدكادك
لاصحب خير الناس نفسا ووالدا	رسول مليك الناس فوق الحبائك

۱۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا حق ہے، اور (اپنے قبیلے کے) سنگی معبودوں کو سب سے پہلے میں نے چھوڑا ہے۔

۲۔ میں آپ کے پاس ترک وطن کرکے اور مستعد ہو کر آیا ہوں، پتھریلی زمینوں اور دشوار راہوں کو طے کرتا ہوا۔

۳۔ تاکہ ان کا رفیق بن جاؤں جو اپنی شخصیت اور خاندان دونوں لحاظ سے سب سے بہتر ہیں، اور صفات بلند رکھنے والے مالک الملک کے رسول ہیں۔

صلح حدیبیہ کے دوران میں عمرہ ادا کرنے کی نیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے، تو عبداللہ بن رواحہ پیش پیش تھے، اور یہ اشعار پڑھتے جاتے تھے۔

خلوا بني الكفار عن سبيله	اليوم نضربكم على تنزيله
ضربا يزيل الهام عن مقيله	ويذهل الخليل عن خليله

۱۔ اے کافروں! آپ کی راہ سے ہٹو، آج ہم تمہیں اسلام کے احکام پر عمل کرتے ہوئے

---

[1] الطبرانی ۔ مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۴۹ ، [2] مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۴۴

۲۔ ایسا ماریں گے کہ کھوپڑیاں تن سے جدا ہو جائیں گی، اور دوست دوست کو بھول جائے گا۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کے یہ اشعار سنے تو کہا، اے رواحہ کے بیٹے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اور خدا کے حرم میں یہ شعر گوئی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خل عنه يا عمر فلهو اسرع	رہنے بھی دو اے عمر! تیروں کے مقابلہ
فيهم من نضح النبل[1]	میں شعر زیادہ مؤثر ہوتے ہیں۔

مدینہ طیبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہوئے تو سخنوران عرب نغمہ سنج تھے، اور فتح مکہ کے حالات پیدا ہوئے تو ان سے آگاہی بھی ایک سخنور کے حصہ میں آئی، فتح مکہ سے قبل قریش اور مسلمانوں میں جو معاہدۂ امن ہوا تھا، اس کے مطابق بنو بکر کا قبیلہ، قریش کے ساتھ، اور بنو خزاعہ، مسلمانوں کے حریف قرار پائے تھے، لیکن کچھ عرصہ کے بعد، قریش نے بنو بکر اور دوسرے قبائل کی مدد سے بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا، اور اس طرح وہ ناجنگ معاہدہ کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوئے، بنو خزاعہ کے ایک شخص عمرو بن سالم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی داستان غم بزبان شعر سنائی، چند اشعار یہ ہیں:

يا رب اني ناشد محمدا	حلف ابينا وابيه الاتلدا
ونقضوا ميثاقك المؤكدا	وجعلوا لي في كداء رصدا
هم بيتونا بالوتير هجدا	وقتلونا ركعا وسجدا

۱۔ اے رب! میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے اور اپنے قدیم عہدنامہ کی بات سناتا ہوں،

۲۔ قریش نے آپ کے متفقہ منشور اتحاد کو چاک چاک کر ڈالا، اور کدا میں وہ میری بھی تاک میں رہے۔

---

[1] ترمذی ونسائی ۔ مجمع الفوائد ج ۲ ص ۱۶۶

۳۔ وتیر میں صبح سویرے انھوں نے ہم پر شب خون مارا، اور رکوع وسجدہ کی حالت میں ہم پر حملہ آور ہوئے۔

یہ اشعار سنتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

نصرت یا عمرو بن سالم[1] تمہاری مدد ہوگی اے عمرو بن سالم

قریش نے اور بھی خلاف ورزیاں کی تھیں، مگر اس بدر کی عہد شکنی اور عمرو بن سالم کے درد انگیز اشعار نے فتح مکہ کے حالات پیدا کردیئے۔

عبد اللہ رضؓ بن رواحہ نے غزوۂ موتہ میں جام شہادت نوش کیا تھا، ایک روایت کے مطابق انہیں بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے سید الشعراء کا خطاب عطا ہوا تھا۔[2]

حضرت حسان رضؓ بن ثابت کا یہ اعزاز تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو مسجد نبوی میں اپنے سامنے منبر پر بیٹھنے کا حکم دیتے۔ اور وہ شعر سناتے۔[3] خطیبوں اور شاعروں کی ایک نشست میں جب کہ جاہلی اور اسلامی شعراء موجود تھے۔ حسان رضؓ بن ثابت کی شاعرانہ صلاحیتیں غالب آئیں اور پورا قبیلہ تمیم مسلمان ہوگیا۔[4] ایک اور شاعر کعب رضؓ بن مالک کے ایک قصیدہ کا یہ اثر ہوا کہ پورا قبیلہ دوس مسلمان ہوگیا۔[5] شعروسخن کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیجیے کہ حضرت حسان رضؓ بن ثابت اور نابغہ جعدی کو اشعار سنانے پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی تھی۔[6]

شعر میں کلام نبوت کی ترجمانی — شعرائے اسلام کلام نبوت کو شعر میں منتقل کر دیتے تھے۔ یہاں ہم صرف ایک مثال پر اکتفا کریں گے۔

---

۱ ابن ہشام ج ۲ صفحہ ۲۶۲، ۲ تاریخ خمیس ج ۲ صفحہ ۱۸۴، ۳ الاستیعاب صفحہ ۴۹۳، ۴ ایضاً صفحہ ۴۹۶
۵ دلائل الاعجاز صفحہ ۱۴ (حاشیہ شیخ رشید رضا مصری)، ۶ العمدہ ج ۱ صفحہ ۲۸

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ تمہاری اور تمہارے اہل وعیال، مال ودولت اور عمل کی مثال اس آدمی کی طرح ہے، جس کے تین بھائی ہوں، اور وہ ان کو اپنی موت سے قبل بلا کر اپنے ساتھ ہمدردی اور تعاون کے بارے میں پوچھتا ہے، تو وہ یہ کہتے ہیں:

۱۔ ایک بھائی کہتا ہے کہ میری ذمہ داری یہ ہے کہ تیری تیمارداری کروں، اور دیگر ضرورتوں کا خیال رکھوں اور تو مر جائے تو نہلا کر کفن پہنادوں اور دوسروں کو ساتھ لے جا کر دفن کردوں، واپس ہو کر بھی تیری تعریف کرتا رہوں۔

۲۔ دوسرا کہتا ہے کہ میرا اور تیرا بس زندگی کا ساتھ ہے، زندگی سے تو منھ موڑے گا، تو میں بھی اپنا چہرہ دوسری طرف کر لوں گا۔

۳۔ تیسرا بھائی کہتا ہے کہ میں قبر میں تیرا ساتھی اور تنہائی میں تیرا رفیق ہوں، اور روز جزا جب تیرا حساب لیا جائے گا، تو اپنا وزن تیرے ہی پلڑے میں ڈالوں گا۔

ارشاد فرمایا، پہلا بھائی اہل وعیال ہیں، دوسرا بھائی مال ہے، اور تیسرا بھائی عمل صالح ہے۔ صحابۂ کرام نے عرض کیا۔ یہ تیسرا بھائی تو سب سے بہتر رفیق ہے، فرمایا: مرنے کے بعد یہی صورت رہے گی۔

ایک صحابی عبد اللہ رضؓ بن کرز نے ان خیالات کو شعر میں ادا کرنے کی اجازت چاہی، دوسرے دن خدمت اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) میں حاضر ہوئے، تو یہ شعر سنائے۔

اِنّی واھلی والذی قدمت یدی	کداع الیہ صحبہ ثم قائل
لاخوتہ اذ ھم ثلاثۃ اخوۃ	اعینوا علی امری الیوم نازل

یہ انیس[19] اشعار کی نظم ہے عبد اللہ بن کرز نے جب یہ اشعار سنائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ اور لوگ بھی رو پڑے، پھر تو ایسا ہوا کہ عبد اللہ رضؓ بن کرز جب بھی کسی مجمع کے پاس سے گزرتے تو لوگ اشعار سننے کی فرمائش کرتے، اور یہ سناتے تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتے (باقی)

ابوبکر محمدؐ بن زکریا رازیؒ

طب کا معمار

از

جناب اطہر ریحان فلاحی صاحب مترجم عربین ایریکیٹر، الجبیل، سعودی عرب

نام و تاریخ پیدائش | ممتاز اور معروف طبیب و مؤلف ابوبکر محمد بن زکریا رازی ایران کے شہر رے کے ایک معزز گھرانے میں پیدا ہوا، اہل مغرب اسے Razes کے نام سے جانتے ہیں۔ بیشتر مؤرخین نے رازی کے حالات قلمبند کئے ہیں، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ تاریخ وفات کا ذکر تو تقریباً سبھی نے کیا، مگر تاریخ پیدائش کا اکثر نے ذکر نہیں کیا، یہاں تک کہ ابن جلجل، ابن الندیم، قفطی، ابن ابی صیبعہ اور ابن خلکان جیسے سوانح نگار اور مؤرخین طب نے بھی اس کی تاریخ پیدائش نہیں لکھی ہے، بعد کے بعض مصنفین نے اس پر بحث کی ہے، مگر ان کے درمیان بے حد اختلاف ہے، عمر رضا کحالہ نے اس کا سنہ پیدائش ۲۵۱ھ لکھا ہے[۱]، جب کہ مغربی مؤرخ ڈونلڈ کیمبل نے انسائیکلوپیڈیا آف برٹینکا کے حوالہ سے ۲۶۱ھ کو اس کا سنہ پیدائش لکھا ہے[۲] اور رازی کے سب سے بڑے فارسی سوانح نگار ڈاکٹر محمود نجم آبادی نے سنہ پیدائش ۲۷۱ھ لکھا ہے[۳]۔ اس طرح وثوق کے ساتھ صرف اتنا ہی کہا جا سکتا ہے، کہ تیسری صدی ہجری کے پانچویں یا چھٹے دہے کے کسی سال میں وہ پیدا ہوا۔

ابتدائی تعلیم | رازی نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن ہی میں پائی۔ اوائل عمر میں وہ موسیقی اور شعر و ادب سے

---

۱ معجم المؤلفین جلد ۱۰ صفحہ ۹۰۔ ۲ عربین میڈیسن اینڈ دی میڈل ایج ج ۱ ص ۶۸ (Arabian Medicine and the middle age vol-1 page 68) ۳ مقدمہ قصص و حکایات المرضی، تہران، ۱۹۵۲ء۔

دلچسپی رکھتا تھا، اور بانسری بجانا اس کا محبوب مشغلہ تھا، مگر داڑھی مونچھ نکلنے کے بعد وہ اسے ترک کر کے علم طب اور فلسفہ کی طرف مائل ہوا، اور کچھ ہی دنوں میں اپنی ذہانت سے اس میں کمال پیدا کیا، اس تبدیلی کی خود اس نے بایں طور توجیہ کی ہے:

کان فی ابتداء عمرہ یضرب	ابتدائی عمر میں وہ بانسری بجایا کرتا تھا،
بالعود فلما التحی قال "کل غناء	مگر جب داڑھی مونچھ نکل آئی تو اس نے
یخرج من بین شارب ولحیۃ	کہا" جو نغمہ داڑھی اور مونچھ کے
مایطرب" واقبل علی دراسۃ	درمیان سے نکلتا ہے، وہ بھلا نہیں لگتا"
کتب الطب والفلسفۃ فقرأھا	پھر وہ طب اور فلسفہ کی طرف راغب
قراءۃ متعقب علی مؤلفیھا فبلغ	ہوا، اور ایک ناقد کی حیثیت سے
من معرفتھا الغایۃ[۱]	اصحاب فن سے ان علوم کی تحصیل کی،
	اور ان میں کمال پیدا کیا۔

اساتذہ | علم طب کی طرف اس کا رجحان عام مؤرخین کے اندازہ کے مطابق ۳۰، ۴۰ سال کی عمر میں ہوا، اس کے اساتذہ میں علی بن ربن الطبری، اور بلخی قابل ذکر ہیں، جن سے اس نے بالترتیب طب و فلسفہ پڑھا، مؤرخین علی بن ربن الطبری کے رازی کے استاذ ہونے میں تقریباً یک زبان ہیں، جب کہ طبری اور رازی کا زمانہ ایک نہیں ہے، اس سلسلے میں طبری کے حالات زندگی کا اختصار سے جائزہ لیا جاتا ہے،

علی بن ربن الطبری کی تاریخ و مقام پیدائش کا تو ذکر ملتا ہے، مگر اس کے نام کے سلسلہ میں مؤرخین کے بیانات بے حد مختلف ہیں، ابن الندیم نے[۲] ابن ربل اور باپ کا نام سہل لکھا ہے، ابن ابی اصیبعہ نے[۳] علی بن

---

۱ الوافی بالوفیات ج ۳ ص ۷۷، (دمشق ۱۹۵۳ء) مزید وفیات الاعیان (قاہرہ ۱۹۴۸ء) ج ۴ ص ۲۴۴۔
۲ الفہرست والفن الثالث من المقالۃ السابعۃ ج ۱ ص ۴۱۶ ۳ عیون الانباء فی طبقات الاطباء ج ۱ ص ۳۰۱۔

ابی سہل بن ربن الطبری لکھا ہے، القاموس کے بموجب علی بن ربن الطبری، بروکلمان[۱] کے مطابق علی بن سہل ربان الطبری ہے، اور ابن خلکان[۲] نے علی بن زین الطبری لکھا ہے۔

ڈاکٹر زبیر صدیقی نے فردوس الحکمت ایڈٹ کرکے شائع کیا ہے، اس میں ان کے قلم سے صاحب کتاب علی بن ربن الطبری پر ایک بسیط مقدمہ بھی ہے، جس میں مؤرخین کی اس لاعلمی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عرب مؤرخین کے متضاد بیانات نے مستشرقین کو بھی بے خبر رکھا، اور وہ صحیح نتیجہ تک نہ پہونچ سکے، یہاں تک کہ بعض نے اسے رازی کا استاذ اور کچھ نے اس کا شاگرد سمجھ لیا۔

ھذہ الاختلافات فی اقوال	عرب مصنفین کے یہ اختلافات متاخرین
مصنفی العرب اصبحت مغواۃ	کی گمراہی کا سبب بنے، اور اکثر مستشرقین
لمن جاء بعدھم من المصنفین	بھی اختلافات کا شکار ہوئے، چنانچہ
واختلف کثیرمن المستشرقین فظن	بعض نے علی بن سہل اور علی بن ربن
بعضھم ان علی بن سھل وعلی بن	کو دو[۲] شخص خیال کر لیا، اور بعض نے
ربن رجلان وجعل احدھما	ان میں سے ایک کو ابوزکریا رازی کا
شیخاً لابی زکریا الرازی وثانیھما	استاذ اور دوسرے کو ان کا شاگرد
تلمیذاً لہ[۳]	قرار دیا ہے۔

ابوالحسن علی بن سہل بن ربن الطبری طبرستان کے شہر مرو میں ۲۰۰ھ مطابق ۸۱۰ء میں پیدا ہوا اور آٹھویں عباسی خلیفہ معتصم کے زمانہ (۲۱۸ھ تا ۲۲۷ھ[۴]) میں مشرف باسلام ہوا، اور پہلے مرو سے رے آیا اور پھر وہاں سے سامرا گیا۔ جہاں اس نے اپنی مشہور کتاب فردوس الحکمت لکھی[۵] اس کے بعد بغداد گیا جہاں متوکل کے مصاحبوں میں رہا، جس کا عہد ۲۳۲ھ سے ۲۴۷ھ تک ہے[۶]

---

[۱] بروکلمان ۲ صفحہ ۶۱۶ [۲] وفیات الاعیان ج ۴ صفحہ ۲۴۵ (قاہرہ ۱۹۴۸ء) [۳] مقدمہ فردوس الحکمت از زبیر صدیقی برلن ۱۹۲۸ء

[۴] الکامل ابن اثیر ج ۷، صفحہ ۲۳ [۵] الاعلام ج ۵ صفحہ ۹۹ [۶] الکامل ابن اثیر ج ۷، ص ۳۳۔

ربن الطبری کی تاریخ وفات کا ذکر کہیں نہیں ملتا، صرف ڈاکٹر زبیر صدیقی نے اپنے مقدمہ میں ۲۵۰ھ کے بعد کسی سال میں اسکی وفات ہوئی، ڈاکٹر صفا نے اپنی ایک دوسری کتاب

اتنا لکھا ہے کہ ۲۷۰ھ مطابق ۸۵۰ء کے بعد کسی سال میں اسکی وفات ہوئی، ڈاکٹر صفا اپنی ایک دوسری

میں لکھا ہے کہ پچاسی[۸۵] سال کی عمر میں اس کا انتقال ہوا، لیکن ان باتوں کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ہے، بلکہ ان کا دارومدار اس مفروضے پر ہے کہ وہ رازی کا استاذ تھا، تاہم اگر یہ مان لیا جائے کہ اسکی وفات ۲۷۰ھ کے بعد کسی قریبی سال میں ہوئی تو بھی رازی کا اس سے کسب علم ثابت نہیں ہوتا ہے، کیونکہ بعض روایتوں کے مطابق ۲۷۰ھ رازی کا سال پیدائش ہے، اور اگر ۲۶۱ھ کو رازی کا سنہ پیدائش قرار دیا جائے تب بھی وہ اس کا شاگرد نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس نے تیس[۳۰]، چالیس[۴۰] سال کی عمر میں علم طب سیکھنا شروع کیا تھا۔ اس طرح ۲۸۱ھ تا ۲۹۱ھ میں اسکی تحصیل طب کا کوئی ثبوت بہم نہیں پہونچتا، اور ۲۹۱ھ تک طبری کی زندگی کا کسی قرینے سے پتہ چلتا ہے۔

علاوہ ازیں اوپر یہ بھی گذرا ہے کہ وہ بغداد سے قبل ہی رے گیا تھا، جہاں رازی نے اس سے علم طب سیکھا، اور بغداد کا اس کا سفر ۲۳۵ھ میں ہوا تھا، گویا ۲۳۵ھ کے قبل ہی وہ رے گیا، اور اس وقت رازی پیدا بھی نہیں ہوا تھا۔

علم وفضل سوانح نگاروں نے بڑی تفصیل سے رازی کے حالات قلمبند کئے ہیں، سب سے پہلے ابن الندیم نے رازی کے کارناموں اور اس کی شخصیت کا تعارف اپنی کتاب میں کرایا ہے، اس کے بعد البیرونی نے مستقل طور پر آثار مؤلفات رازی کے عنوان سے ایک رسالہ لکھ کر دنیا میں اس کو ایک کامیاب طبیب اور مجدد طب کی حیثیت سے پیش کیا، یہی وجہ ہے کہ رازی کا کمال فن اہل یورپ سے پوشیدہ نہیں رہا، اور وہ ایک عرصہ تک اس کے علم وفن کے خوشہ چیں رہے، اس کی کتابیں نہ صرف یہ کہ ایران

(Introduction to studies in Arabic and Persian literature)

دعرب میں داخل درس تھیں، بلکہ سترہویں[۱۸] صدی تک اٹلی، فرانس و انگلینڈ کی بیشتر طبی درسگاہوں کے نصاب کا بھی اہم حصہ تھیں، اسکی مقبول عام کتاب المنصوری کے تذکرہ کے ضمن میں ڈاکٹر دونلڈ کیمبل نے صاف لفظوں میں اس کا اعتراف کیا ہے[۱]

The nineth b.ok of this work as already publicly reed in the medical school of western Europe for some hundreds of years"

دوسری جگہ کتاب الحاوی کے تذکرہ کے ضمن میں وہ یوں رقمطراز ہیں[۲]

"The nineth book of the "Continents" deals with pharmacology and was source of theropuitic knowledge in Europe of the Renaissance."[۳]

مؤرخ ابن ابی اصیبعہ نے رازی پر زیادہ تفصیل سے لکھا ہے، اور اسے طب کے ایک عبقری کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔[۴]

وللرازی اخبار کثیرۃ و فوائد	رازی کی فن طب میں مہارت، مریضوں
متفرقۃ فی ماحصل من التمیّز	کے علاج میں انفرادیت اور ادویہ کے
فی صناعات الطب وفیما تفرد بہ	خواص کے علم میں یکتائی کے متعدد واقعات

---

[۱] عربین میڈیسن اینڈ دی میڈل ایج ج ۱ ص ۸۰ Arabian Medicine and... [۲] The middle age p.68. [۳] حوالہ بالا، [۴] عیون الانباء فی طبقات الاطباء ج ۱ ص ۳۱۱۔

من مداواۃ المرضیٰ وفیما	ہیں، اس بے نظیر اور عدیم المثال
جرّبہ من الصفات الادویۃ التی	مہارت و انفرادیت تک پہنچنے سے
لم یصل الی علمہا کثیر من الاطباء	اکثر اطباء قاصر رہے ہیں،

ابن الندیم، ابن جلجل، قفطی، قاضی صاعد، یاقوت حموی وغیرہ نے بھی رازی کے علوئے مرتبت کا کھلے دل سے اعتراف کیا ہے۔ ابن خلدون نے رازی کو فن کا امام تسلیم کرتے ہوئے لکھا ہے

وکان فی الاسلام فی ھذہ	اس فن میں اسلام میں بعض ایسے
الصناعات ائمۃ جاؤا من	ائمہ پیدا ہوئے جو درجۂ کمال سے بھی
وراء الغایۃ مثل الرازی	آگے نکل گئے۔ مثلاً رازی مجوسی
والمجوسی وابن سینا۔[۱]	اور ابن سینا۔

اس ممتاز عالم اور حاذق طبیب کی زندگی کے مختلف دور اور پس منظر کے مطالعہ کے بعد اس کی انفرادیت کو تسلیم کرتے ہوئے ابن خلکان نے لکھا ہے۔ "مسلم اطباء میں اس کا شمار صف اول میں ہوتا ہے۔" وہ علم طب میں اپنے وقت کا امام تھا۔ اور اس زمانہ میں اس کی طرف انگلیوں سے اشارہ کیا جاتا تھا۔ وہ فن طب میں کامل اور اس کے اصول و قواعد کا ماہر تھا، علم طب حاصل کرنے کے لئے لوگ اس کے پاس سفر کر کے آتے تھے۔[۲]

رازی کی مقبولیت، مہارت فن، علوئے مرتبت اور اس کے علمی پایہ کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ زندگی میں ہی اسے جالینوس العرب اور طبیب المسلمین کہا جانے لگا تھا۔

عموماً سوانح نگار اور مؤرخین رازی کے اچھے اخلاق کے معترف ہیں، نرم گفتاری اور ملنساری اس کی فطرت تھی اپنی شہرت اور مقبولیت کے باوجود ظاہری رکھ رکھاؤ سے قطعی بے نیاز تھا۔ نہایت

---

[۱] مقدمہ ابن خلدون ص ۷۸ ۔ [۲] وفیات الاعیان ج ۴ ص ۲۴۴۔

سادہ مزاج، اور ایک حاذق طبیب اور حکیم دانا کی طرح اس کا لب و لہجہ نہایت شائستہ تھا۔
مریضوں کے ساتھ اس کا معاملہ کامل ہمدردی اور دلسوزی کا ہوا کرتا تھا، وہ بڑی دقت نظر سے
مرض کی اصلیت کو پالینے کی کوشش کرتا تھا، اور تشخیص کے بعد پوری محنت و لگن سے علاج کرتا تھا
ابن الندیم نے لکھا ہے۔

کان کریماً متفضلاً باراً بالناس	رازی شریف، مہربان اور ہمدرد انسان
حسن الرافة بالفقر لیوداالاعلاء[۱]	تھا، غریبوں اور مریضوں کے ساتھ
	اچھی طرح پیش آتا تھا۔

ابن ابی اصیبعہ نے اسکی تائید کرتے ہوئے قدرے تفصیل سے لکھا ہے

کان الرازی ذکیاً، فطناً رؤفاً	رازی ذہین، تیز اور مریضوں پر
بالمرضیٰ مجتهداً فی علاجهم	مہربان تھا، ان کے علاج و شفا میں پوری
وببرئهم بکل وجه یقدر علیه	محنت کرکے مرض کو ہر طرح کنٹرول کرتا
مواظباً للنظر فی غوامض صناعة	تھا۔ طب کے رموز و حقائق پر برابر
الطب والکشف عن حقائقها	اس کی نظر رہتی تھی، اور اسے جاننے
واسرارها۔[۲]	کے لئے ہمیشہ جستجو کرتا رہتا تھا۔

رازی طب میں بقراط اور جالینوس کے نظریات اور طرز تصنیف کا پیرو تھا، مگر عملی تجربات
کی کسوٹی پر پرکھنے کے بعد ہی وہ کسی اصول کے ترک و اخذ کا فیصلہ کرتا تھا۔ وہ بقراط اور جالینوس
کا ہم پلہ تھا، بلکہ بعض حیثیتوں سے ان سے بھی فائق تھا۔ یورپ میں اس کے امتیاز کا اعتراف
کرتے ہوئے اسے "Experienced" کا خطاب دیا گیا ہے۔ ڈونلڈ کیمبل نے لکھا ہے[۳]

۱؎ الفہرست ج ا ص ۴۱۶۔ ۲؎ عیون الانباء ج ا ص ۳۱۴ ۳؎ عربین میڈیسن اینڈ دی میڈل ایج ج ا ص ۶۵۔

"اس کا مرتبہ اتنا بلند ہے کہ اس کے سوانح نگاروں نے اسے "تجربہ کار" کا خطاب
دیا، وہ ایک ماہر طبیب تھا اور بقراط کے ہم پلہ تھا اس طرح کہ اس نے بھی بعض امراض
کو ابتدائی طور پر دریافت کیا۔"

طب کے مسلّمہ اصولوں کو عملاً برتنا ہی رازی کا کارنامہ نہیں ہے، بلکہ اس نے تدریس طب بعد
علاج و معالجہ کے ایسے اصول خود بھی وضع کئے جو بعد میں اختیار کئے گئے، اور جو آج بھی قابل تقلید ہیں،
مریضوں کے روزنامچہ "History shead and daily progress report" کا نظریہ
طب جدید کو رازی کی دین ہے، وہ کلینکی طب کا بجا طور پر موجد کہا جا سکتا ہے۔
اسپتالوں اور شفاخانوں سے اس کی دلچسپی کے پیش نظر مؤرخ ابن جلجل نے طبیب مارستانی کا خطاب
دیا ہے[۱] رازی پہلا طبیب ہے جس نے ہزار سال قبل فن طب کو تجربات، مشاہدات اور عملیات سے روشناس
کرایا، آج مروجہ تعلیم طب میں "Bedside Teaching" کو بڑی اہمیت حاصل ہے، لیکن
پہلی بار رازی ہی نے اپنے مطب میں اپنے شاگردوں کو اس کا موقع دیا تھا، یہ مؤثر طریقۂ تعلیم رازی کی
ہی دریافت ہے، ابن ندیم کا بیان ہے:

"رازی کے مطب میں شاگردوں کے مختلف حلقے ہوتے تھے، مریض پہلے سب سے کمتر حلقے
والے سے اپنا حال بیان کرتا، اور وہ اس کے لئے نسخہ تجویز کرتے لیکن اگر وہ عاجز رہتے تو
اپنے اوپر والے حلقے کے پاس اسے بھیجتے۔ اس طرح اگر ان کی تشخیص سے کام نہ چلتا تو آخر
میں اسے رازی کے پاس لے جایا جاتا، اور وہ سیر حاصل بحث کرکے ان لوگوں کو سمجھاتا۔"[۲]

اہل یورپ نے رازی کو اس کے علمی کارناموں کے پیش نظر اپنی تحقیقات اور کتابوں میں بڑا اہم درجہ
دیا ہے، ۱۹۱۳ء میں لندن میں سترہویں بین الاقوامی طبی کانگریس کے موقع پر G.S.Ranking

---

۱؎ طبقات الاطباء، مرتبہ ڈاکٹر فواد سید مطبوعہ قاہرہ ۲؎ الفہرست ج ا ص ۴۱۸

نے اس کی زندگی اور کارناموں پر ایک بسیط علمی مقالہ پڑھا تھا جس میں انھوں نے اسے خوب سراہا تھا۔ ڈونلڈ کیمبل اور دوسرے بعد کے مؤرخین نے اس کتابچہ کے حوالے اپنے مضامین میں دیئے ہیں۔[1]

۱۸۳۰ء کو پیرس میں رازی کی ہزار سالہ برسی منائی گئی، جس میں ایک مضمون پڑھا گیا۔ اسکا عنوان تھا "عربی طب اور تاریخ کا فرانس کی طب پر اثر" اس مضمون میں رازی کو دنیا کا "معمار طب" تسلیم کیا گیا۔[2]

مسٹر پال کراؤس "Mr Paul Krous" نے اٹلی کے ایک رسالہ "Rienlalia" میں رازی پر ایک طویل مقالہ لکھا تھا، جس کا فارسی ترجمہ عباس اقبال نے "السیرۃ الفلسفیۃ" کے ترجمہ کے ساتھ شائع کیا ہے۔

رازی نے طبی مسائل پر تحقیقات کی نئی راہیں اور سمتیں لوگوں کو دکھائیں، آج کل علم ماہیۃ الامراض "Palhalogy" میں Baclerio logy (علم الجراثیم) کو بڑی اہمیت حاصل ہے اور اسے کلی طور سے موجودہ سائنس کا کارنامہ تصور کیا جاتا ہے، حالانکہ اس نظریہ کو رازی ہزار برس قبل پیش کر چکا تھا، اور اس نے عملاً برت کر دکھایا بھی تھا، چنانچہ جب ایک اسپتال کے سنگ بنیاد کا مسئلہ رازی کے سامنے پیش ہوا اور اس سے موزوں جگہ تجویز کرنے کے لئے کہا گیا تو اس نے شہر بغداد کے مختلف حصوں میں گوشت کے ٹکڑے لٹکوا دیئے اور جس جگہ گوشت سب سے تاخیر سے متعفن ہوا اسے اسپتال کے لئے منتخب کیا۔ ابن ابی اصیبعہ نے اس واقعہ کو تفصیل سے ذکر کیا ہے۔[3] اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اسپتال کے لئے اچھے ماحول اور جراثیمی اثرات سے نسبتاً محفوظ جگہ کی تلاش رازی نے کیا۔

۱؎ عربین میڈیسن اینڈ دی میڈیل ایج ج ۱ ص ۲۶ (ذیلی نوٹ) ۲؎ حکمائے اسلام از مولانا عبد السلام ندوی مرحوم ج ۱ ص ۲۰۶ ۳؎ عیون الانباء فی طبقات الاطباء ج ۱ ص ۳۱۰

علم السموم (Toxicology) اور ان کے تریاقات (Antidota) پر بھی رازی نے اس دور میں قابل قدر کام کیا تھا۔ اس کی کتابوں کی فہرست پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ فن پر اس کی نگاہ کتنی وسیع اور گہری تھی۔

مختلف اسپتالوں سے وابستگی

رازی اپنی علمی اور محققانہ طبیعت کے باوجود علاج و معالجہ سے ہمیشہ وابستہ رہا، اور کئی بڑے اسپتالوں کی نگرانی کے فرائض بھی مختلف اوقات میں انجام دیئے۔ وہ رے اور بغداد کے شفاخانوں کا افسر الاطباء تھا، حکیم سید عبدالحئی صاحب نے لکھا ہے کہ بغداد و رے کے شفاخانے عرصے تک اسی کے زیر اہتمام و انتظام چلتے رہے،[1] بلکہ اسی کی نگرانی میں قائم ہوئے تھے؛ ابن الندیم، ابن خلکان، ابن جلجل وغیرہ کے بیانات سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

دبر مارستان رے ثم مارستان بغداد زمانا[2]

وہ پہلے رے کے شفاخانے کا نگراں ہوا، پھر ایک طویل عرصہ تک بغداد کے شفاخانے کی نگرانی بھی کی۔

عضد الدولہ کے شفاخانہ عضدیہ کی ملازمت اور نگرانی کا تذکرہ عمر رضا کحالہ نے کیا ہے۔[3] ابن ابی اصیبعہ نے بھی اس طرح کی ایک روایت نقل کی ہے، مگر بعد میں اس کی یہ کہہ کر تردید کی ہے کہ رازی کا زمانہ عضد الدولہ سے قبل تھا،[4] چنانچہ تاریخی پس منظر میں یہ کسی طرح بھی ممکن نہیں ہے۔ اس لئے کہ رازی مکتفی باللہ کے عہد میں بغداد گیا تھا، اور وہاں بیمارستان بغداد کا سپرنٹنڈنٹ مقرر ہوا تھا، خلیفہ عضد الدولہ کا عہد اس کی وفات کے بعد شروع ہوتا ہے، تاریخی حوالوں سے پتہ چلتا ہے کہ سینتالیس سال کی عمر میں ۳۷۲ھ میں عضد الدولہ کا انتقال ہوا۔ ابن اثیر لکھتے ہیں:

۱؎ اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں از حکیم سید عبدالحئی صاحب ص ۱۴۹ مترجم مولانا ابوالعرفان ندوی شائع کردہ دار المصنفین اعظم گڑھ ۲؎ طبقات الاطباء ص ۷۷ ابن جلجل مرتبہ فواد سید قاہرہ ۱۹۵۵ء ۳؎ معجم المؤلفین ج ۱ ص ۶ ۴؎ عیون الانباء ج ۱ ص ۳۲۰

"وہ عضد الدولہ عرصہ سے مرگی میں مبتلا تھا، ۸ شوال ۳۷۳ھ میں انتقال کر گیا نعش بغداد سے نجف لے جا کر حضرت علیؓ کے جوار میں سپرد خاک کی گئی، وفات کے وقت کل ۴۷ سال کی عمر تھی۔"[1]

گویا ۲۵۲ھ میں اس کی پیدائش ہوئی، جب کہ رازی کا انتقال محقق روایت کے مطابق ۳۲۰ھ یا ۳۱۱ھ میں اور ضعیف روایت کے مطابق ۳۳۲ھ میں ہوا۔

شعری ذوق

ابن ابی اصیبعہ اور ابن جلجل نے اس کا تعارف ادیب اور شاعر کی حیثیت سے کرایا ہے، جبکہ رازی کے کسی شعری مجموعہ کا ذکر تاریخ میں نہیں ملتا، تاہم اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اسے ذوق شعری موہوب تھا، ابن ابی اصیبعہ نے لکھا ہے کہ جابر بن حیان کی کتاب الاس کو رازی نے نظم کیا تھا۔[2]

الفہرست میں اس کی ۱۱۳ بڑی، ۲۸ چھوٹی تصانیف اور دو نظموں کا ذکر ہے، لیکن یہ نمونے نہیں ہیں کہ اس کے کلام کے حسن و قبح کو واضح کیا جائے،

رازی کے عقائد کے ضمن میں صلاح الدین صفدی نے دو شعر نقل کئے ہیں جن سے ثابت کیا جاتا ہے کہ وہ معاد کا منکر تھا، اس سے قطع نظر یہ اشعار اس کے شاعر ہونے کی دلیل ہیں ۔

لعمری وما ادری وقد اذن البلی — بعاجل ترحالی الی این ترحالی

ترجمہ: بڑھاپے نے خبر تو دے دی کہ مجھے جلد سفر کرنا ہے، لیکن میں یہ نہیں جانتا کہ مجھے کہاں کا سفر کرنا ہوگا۔

واین محل الروح بعد خروجہ — من الہیکل المنحل والجسد البالی[3]

ترجمہ: نیز شکستہ اور بوسیدہ جسم سے روح نکلنے کے بعد اس کا محل و مقام کہاں ہوگا۔

---

[1] الکامل لابن اثیر ج ۹ ص ۱۸، بیروت ۱۹۶۶ء۔ [2] عیون الانباء ج ۱ ص ۳۲۰۔ [3] الوافی بالوفیات ج ۳ ص ۷۷، دمشق ۱۵۵۰ء۔

رازی اور شیخ

رازی کے فلسفیانہ نظریات سے بجا طور پر اختلاف ہو سکتا ہے لیکن اسکی طبی مہارت کا اعتراف مؤرخین نے کھلے دل سے کیا ہے، قاضی صاعد نے اس کے فلسفہ کا ابطال کیا ہے لیکن اس کے طبی کارناموں کو سراہا ہے، قفطی کا بھی یہی خیال ہے کہ "الہیات پر اس کی تحریریں قابل تعریف نہیں ہیں، اس نے اس فن کے ائمہ کی تردید لکھ کر اپنی کم فہمی کا ثبوت دیا ہے، اور اپنی تائید میں ایسے آراء و مذاہب پیش کئے ہیں جو قطعاً ناقابل اعتناء ہیں۔"[1]

علم کیمیا سے شغف

اس نے مشہور کیمیا داں جابر بن حیان کی کتاب الاس کو نظم کیا تھا، اس سے اس کے ادبی و شعری ذوق کی طرح علم کیمیا میں بھی اس کی دسترس کا اندازہ ہوتا ہے، اس نے اس فن میں بہت اہم اور بنیادی کام کئے ہیں، قفطی، صاعد، ابن ابی اصیبعہ، ابن الندیم اور ابن جلجل نے اس کی کتابوں کی جو فہرست دی ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس نے کیمیا پر چھوٹی بڑی کم و بیش پندرہ (۱۵) کتابیں اور رسالے لکھے ہیں، رازی نے پہلی بار کیمیاوی اجزاء کو بطور دوا استعمال کیا، اور دواؤں میں بعض کیمیاوی اجزاء شامل کر کے مفید مطلب تجربات حاصل کئے، ڈونلڈ کیمبل نے لکھا ہے۔[2]

"Razes was the first to introduce chemical preparation into the practice of medicine."

مؤرخ مذکور نے اس کے بہت سی کیمیاوی اکتشافات کا ذکر کیا ہے۔

وفات

رازی آخری عمر میں آنکھوں میں پانی اتر آنے کی وجہ سے بینائی سے محروم ہو گیا تھا جس کا سبب بعض مؤرخین نے باقلہ کی کثرت استعمال بتایا ہے، جو زیادہ قرین قیاس ہے، جبکہ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ خلیفہ منصور کے سامنے جب اس نے علم کیمیا پر اپنی کتاب لکھ کر پیش کی، تو خلیفہ نے اس سے اس کے بعض کلیے کو عملاً ثابت کر دکھانے کے لئے کہا، جس میں وہ ناکام رہا، جس کی وجہ سے خلیفہ نے اس کو ایسا کوڑا مارا کہ اسکی آنکھ جاتی رہی، لیکن اس روایت میں کوئی صداقت نہیں ہے۔

---

[1] تاریخ الحکماء ص ۳۶۱ (مترجم اردو) [2] عربین میڈیسن اینڈ دی میڈل ایج ج ۱ ص ۶۶

رازی کی وفات اس کے وطن عزیز رے میں ہوئی، لیکن کسی متعین تاریخ وفات کا ذکر کتب تاریخ وسیر میں نہیں ملتا ہے۔ سنہ وفات کے سلسلہ میں مؤرخین کے مختلف بیانات ہیں، ڈاکٹر فواد سید نے طبقات الاطباء میں رازی کے ذکر میں ایک ذیلی نوٹ میں لکھا ہے کہ روسکا (Ruska) نے بیرونی کا ایک مقالہ بعنوان "البیرونی کمصدر لحیات الرازی وکتبہ" فرنچ رسالہ "Isis" میں شائع کیا ہے، جس میں اس نے بعض اقتباسات کا ترجمہ کیا ہے، جس میں تعیین کے ساتھ رازی کی وفات ۵ رشعبان ۳۱۳ھ مطابق ۲۵ اکتوبر ۹۲۵ء کا ذکر کیا ہے۔[1] جب کہ ابن جلجل نے اتنے پر ہی اکتفا کیا۔ مکتفی کا عہد ۲۹۵ھ تک ہے، گویا کہ ابن جلجل کے نزدیک اس کی وفات ۲۹۵ھ سے قبل ہوئی ہے، ابن ابی اصیبعہ اور قاضی صاعد نے ۳۲۰ھ اس کا سال وفات مانا ہے، یاقوت حموی کے مطابق ۳۱۰ھ کے بعد کسی سال میں اس کی وفات ہوئی، ابن خلکان نے ۳۱۱ھ بطور سال وفات ذکر کیا ہے، الاعلام اور دائرۃ المعارف البستانی ۳۱۱ھ پر متفق ہیں، لہذا کسی متعین تاریخ وفات کا ذکر کئے بغیر صرف اتنا ہی کہا جاسکتا ہے کہ ۳۱۱ھ سے ۳۲۰ھ تک کسی سال میں اسکا انتقال ہوا۔ تاریخ وفات کے سلسلہ میں مستشرقین کے بیانات قطعاً ناقابل اعتبار ہیں۔

تصنیفات رازی بیک وقت ایک حاذق طبیب، ماہر کیمیادان اور نباتات شناس بھی تھا، اور بہترین مؤلف بھی تھا، بسیار نویسی کا یہ عالم تھا کہ تقریباً تین سو کتابیں اس نے لکھیں جن سے اس کی ذہنی جہتی اور قابلیت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے، رازی کی تصنیفات پر مشرق و مغرب میں بڑی تحقیقات ہوئیں، لیکن اس کی مطبوعہ وغیر مطبوعہ کتابوں کی لمبی فہرست پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ابھی بہت کچھ کام باقی رہ گیا ہے، ذیل میں اس کی چند دستیاب کتابوں کا اجمالی جائزہ پیش کیا جاتا ہے، جس سے اس کی علمی وسعت و عمق کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

الحاوی: اس کا دوسرا نام "الجامع الحاصر لصناعۃ الطب" ہے۔ یہ ضرب المثل مشہور ہے کہ فنی

[1] طبقات الاطباء ص ۷۷ (ذیلی نوٹ)، از فواد سید۔

طب مردہ تھا، جالینوس نے اس کو زندہ کیا، پراگندہ تھا رازی نے اس کی شیرازہ بندی کی، ناقص تھا، شیخ نے اس کی تکمیل کی"۔ طب کے انہیں پراگندہ مسائل کی شیرازہ بندی کا دوسرا نام "الحاوی" ہے، رازی نے اپنی اس وقیع تصنیف میں نہ صرف یہ کہ جالینوس اور بقراط کی کتابوں اور مقولوں پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ معاصرین اور پیش رو اطباء کی کتابوں کا گہرا مطالعہ کیا، اور ان سے استفادہ کے بعد مفید اور بامقصد اقوال قائل کے حوالے کے ساتھ جمع کیے، مریضوں کے مرض کی تفصیلی روداد، تشخیص، علاج اور اس کے نفع بخش اثرات کو اپنی ذاتی نتیجہ خیز تجربوں کے ساتھ اس میں اکٹھا کیا۔

یہ کتاب درحقیقت ایک طبی انسائیکلوپیڈیا ہے، جسے بجا طور پر رازی کا شاہکار کہا جاسکتا ہے، ابن ابی اصیبعہ نے لکھا ہے کہ یہ فن طب پر ایک وقیع کتاب ہے جس میں اس نے تمام امراض اور ان کے علاج کے متعلق پیش رو اور معاصرین کی آراء و اقوال قائل کے حوالہ کے ساتھ درج کردیئے ہیں۔[1]

افسوس کہ یہ کتاب خود رازی کی زندگی میں مرتب نہ ہوسکی، اس کے مسودات اس کی وفات کے بعد اس کی بہن سے مالی معاوضہ پر حاصل کرکے ابوالفضل ابن العمید نے اس کے شاگردوں کی مدد سے مرتب کیا۔[2] اس کتاب میں رازی نے نہ صرف یہ کہ یونان، ایران، روم کے مشہور حکیموں کے معمولات مطب اور قیمتی مسودات کو جمع کیا، بلکہ ہندوستانی اطباء سے بھی استفادہ کیا، اور ان کے حوالے اپنی کتاب میں دیئے ہیں، حکیم عبدالحئی صاحب نے لکھا ہے کہ رازی نے ہندوستان کے مشہور وید شرک ہندی کی کتاب جس کا ترجمہ عبد بن علی نے فارسی سے عربی میں کیا ہے سے استفادہ کیا،[3] ایک انگریز مصنف کے قول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔[4]

[1] عیون الانباء ج ۱ ص ۳۱۵۔ [2] طبقات الاطباء از ابن جلجل، مرتبہ فواد سید ذیلی نوٹ ص ۷۸۔ [3] اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں، از حکیم سید عبدالحئی لکھنوی ص ۱۹۲، مترجم مولانا ابوالعرفان ندوی ناشر دارالمصنفین اعظم گڈھ ۱۹۷۰ء

[4] آؤٹ لائن آف عربک کنٹریبیوشن ٹو میڈیسن از میورروف ص ۱۰۹۔

"In this book Razes quotes fully and at length a great many of the Greek and Indian physician"

ترجمہ: اس کتاب میں رازی نے دل کھول کر قدیم یونانی اور ہندوستانی اطباء کے فرمودات و اقوال نقل کئے ہیں)

ڈاکٹر زبیر صدیقی کے مطابق:

"As Razes queted about a dozen Indian medical work"

موصوف نے ہندوستانی ویدوں کی تیرہ[۱۳] کتابوں کے نام درج کئے ہیں جن سے رازی نے استفادہ کیا تھا[۱]۔

الحاوی کی جلدوں کی تعداد کے بارے میں کوئی بات قطعیت کے ساتھ نہیں کہی جاسکتی ہے۔ اس سلسلہ میں مؤرخین کے بیانات مختلف ہیں۔ ڈاکٹر کیمبل نے لکھا ہے کہ "حاوی کا کوئی مکمل مسودہ دستیاب نہیں ہے۔ انہوں نے ڈاکٹر براؤن کے اس اندیشے کو بھی نقل کیا ہے کہ حاوی کا موجودہ دستیاب حصہ نصف سے بھی کم ہے[۲]" حالانکہ اس کا کوئی ثبوت موصوف نے نہیں فراہم کیا۔ یہ بات محض تشکیک کے لئے لکھ دی گئی ہے۔

مؤرخ ابوالفداء، ابن خلکان نے اس کی تیس[۳۰] جلدوں کا ذکر کیا ہے۔ صاحب دائرۃ المعارف البستانی نے بھی اسی قول کی تائید کی ہے۔ جبکہ ابن الندیم، قفطی، ابن ابی اصیبعہ نے صرف بارہ[۱۲] جلدوں کا ذکر کیا ہے۔ بعض مؤرخین نے سترہ[۱۷] اور کچھ نے پچیس[۲۵] جلدوں کا تذکرہ کیا ہے۔ دائرۃ المعارف حیدرآباد سے اب تک تیئیس[۲۳] جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں حاوی

---

[۱] انٹروڈکشن ٹو اسٹڈیز ان عربک اینڈ پرشین میڈیکل لٹریچر، انگلش ایڈیشن صـ۴۳ [۲] طب العرب از براؤن مترجم حلیم میر حسین واسطی صـ۷۶۔

کا جامع تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے کہ رشید الدین ابو سعید بن یعقوب القدسی متوفی ۶۴۶ھ نے اس کو بعد میں مختصر کر کے وضاحتی حاشیے کے ساتھ شائع کیا تھا۔

"ذکر فیه مایحتاج الیه من حفظ الصحة ومداواة الامراض یغفل فی ذکر شیء الا انه لم یستقص شرح شیء مما یحتاج الیه الطبیب من تدبیر الامراض والعلل ثم ان رشید الدین ابا سعید بن یعقوب القدسی المتوفی سنة ۶۴۶ھ علق علیه تعالیق واختصره[۱]"

حالانکہ یہ نسخہ کہیں موجود نہیں ہے۔ ابن ابی اصیبعہ نے یہ کہتے ہوئے اس سے انکار کیا ہے کہ "میں نے اس کتاب کا کوئی ایسا نسخہ مذکورہ شرح کے ساتھ نہیں دیکھا۔ اور نہ اس کے بارے میں کسی سے سنا[۲]۔

اس کتاب کے مختلف یوروپی زبانوں میں ترجمے ہوئے۔ لاطینی زبان میں یہ کتاب دو[۲] حصوں میں بروشیا سے پہلی بار ۱۴۸۶ء میں شائع ہوئی جو پانچ سو اٹھاسی صفحات پر مشتمل تھی۔ اس نسخہ کا وزن سترہ[۱۷] پونڈ تھا۔ یہ ترجمہ وینس (venice) سے پچیس[۲۵] جلدوں میں شائع ہوا۔ جو اب نایاب ہے۔ اس کتاب کے مختلف نسخے دنیا کی مختلف لائبریریوں میں موجود ہیں۔ برٹش میوزیم، میونخ، آکسفورڈ، استنبول کی لائبریریوں، کتب خانۂ رامپور، کتب خانہ ملک آقا تہران اور ہندوپاک کے کتب خانوں میں موجود ہیں[۳]۔

المنصوری: اس کا ذکر بیشتر مؤرخین نے کیا ہے۔ یہ کتاب نایاب تو نہیں ہے۔ مگر نظر سے نہیں گزری ہے۔ لہٰذا مؤرخین کے بیانات پر ہی اکتفا کرتا ہوں۔ اس کتاب میں رازی نے جالینوس سے اپنے زمانے تک کے اطباء کے معمولات مطب جمع کئے ہیں۔ اہل یورپ نے اس کتاب کو بڑی اہمیت دی ہے۔

---

[۱] کشف الظنون ج ۱ صـ۶۲۷ ، [۲] عیون الانباء ج ۱ صـ۳۲۰ از ابن ابی اصیبعہ، [۳] مقدمہ قصص و حکایات المرضیٰ، از ڈاکٹر محمود نجم آبادی۔

یہ دس مختلف مقالات پر مشتمل ہے، اس کے ساتویں اور نویں مقالے کا ذکر ڈاکٹر محمود نجم آبادی نے کیا ہے، ان کے مطابق ساتواں مقالہ جنرل سرجری اور نواں مقالہ علم الامراض پر ہے، ڈاکٹر ڈونلڈ کیمبل نے دس مقالوں کا ذکر کیا ہے۔ دسویں مقالے کے ضمن میں لکھا ہے کہ یہ آخری مقالہ ہے، جس میں حمیات پر سیر حاصل بحث ہے۔ یہ مقالہ دراصل بقراط اور جالینوس کے نظریۂ حمی اور ان کے اصول علاج کا چربہ ہے، انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس کا نواں مقالہ پانچ سال داخل نصاب رہا۔

کیمبل کے مطابق کتاب کے مشتملات کا اجمالی خاکہ اسطرح ہے[1]۔

۱۔ پہلا مقالہ۔ علم تشریح و علم منافع الاعضا (Anatomy and Physiology) ۲۔ دوسرا مقالہ: مزاج (Temperament) ۳۔ تیسرا مقالہ: معمولی علاج (Simple remedies) ۴۔ چوتھا مقالہ: حفظان صحت (Hygiene) ۵۔ پانچواں مقالہ: امراض جلد (Skin diseases) ۶۔ چھٹا مقالہ: غذا (Diet) ۷۔ ساتواں مقالہ: علم الجراحت (Surgery) ۸۔ آٹھواں مقالہ: علم السموم (Toxocolegy) ۹۔ نواں مقالہ: علم الامراض (Pathology) ۱۰۔ دسواں مقالہ: حمیات (fevers)

کتاب کی اہمیت و افادیت کے پیش نظر اس کی مختلف شرحیں لکھی گئیں اور مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے، اٹلی، آکسفورڈ، اسکوریال اور تہران کے مختلف کتب خانوں میں اس کے نسخے موجود ہیں،[2] ہندوستان میں شبلی اکیڈمی اعظم گڈھ میں اس کا نواں مقالہ لاطینی ترجمے اور عربی متن کے ساتھ موجود ہے۔ جس میں یہ نام موجود ہے۔ . . "libio Almansori"

یہ کتاب حاوی کے بعد کتاب الجدری والحصبہ سے پہلے خلیفۂ وقت منصور کے لئے لکھی گئی تھی، اسی وجہ سے اس کا نام المنصوری رکھا گیا[3]۔

---

[1] عربین میڈیسن اینڈ دی میڈل ایج ج ۱ ص ۶۷ ، [2] ایضاً ، [3] عیون الانبا فی طبقات الاطبا ج ۱ ص ۳۲۰

الفه الرازی بعد تالیفه الحاوی	رازی نے یہ کتاب حاوی کے بعد اور
وقبل کتاب الحصبة والجدری	کتاب الحصبہ والجدری سے پہلے لکھی، اور اس
وسمّاه الکتاب المنصوری لانه	کا نام منصوری رکھا، کیونکہ اسے منصور
الفه للمنصور وقد اختلفوا	کے لئے مرتّب کیا تھا۔ لوگوں کا اختلاف
فی المنصور من هو۔ والاصح انه	ہے کہ منصور کون تھا؟ زیادہ صحیح قول
المنصور بن اسحٰق بن احمد بن	یہ ہے کہ یہ منصور بن اسحٰق بن احمد بن
اسمٰعیل امیر خراسان[1]	اسمٰعیل والیِ خراسان تھا۔

مگر ابن خلکان نے لکھا ہے کہ میں نے منصوری کا جو نسخہ دیکھا اس کی پشت پر لکھا ہوا تھا کہ رازی نے یہ کتاب منصور بن اسحاق بن احمد بن نوح کے نام پر لکھی، جو بہرام گور کی نسل سے تھا، اور کرمان و خراسان کا والی تھا، اور اس کی کنیت ابو صالح تھی[2]۔ انہوں نے دوسری جگہ لکھا ہے کہ رازی نے اسے ابو صالح بن منصور بن نوح بن نصر بن اسمٰعیل بن احمد بن اسعد بن سامان کے لئے لکھا تھا، جو ایک سامانی بادشاہ تھا، مگر یہ قرین قیاس نہیں[3]۔

امر واقعہ یہ ہے کہ یہ کتاب رازی نے منصور بن اسحٰق بن احمد بن اسد کے لئے لکھی تھی، جو اپنے چچا زاد بھائی احمد بن اسمٰعیل بن احمد بن اسد کی جانب سے سنہ ۲۹۰ھ تا سنہ ۲۹۶ھ رے کا حاکم تھا[4]۔

یہ کتاب پہلی بار لاطینی زبان میں سنہ ۱۴۸۱ء، سنہ ۱۴۹۷ء اور پھر سنہ ۱۵۱۰ء میں لاطینی زبان میں مختلف جگہوں سے شائع ہوئی، اٹلی زبان میں اس کے نویں مقالے کا ترجمہ ہوا۔

کتاب الجدری والحصبہ:۔ اس کا ذکر ابن الندیم، ابن ابی اصیبعہ، قفطی وغیرہ کے علاوہ مستشرقین

---

[1] کتاب الجدری والحصبہ، ذیلی نوٹ از مرتب ص ۸ طبع بیروت سنہ ۱۸۷۲ء (موجود در کتب خانہ شبلی اکیڈمی)
[2] وفیات الاعیان ج ۴ ص ۲۴۵ ، [3] ایضاً ص ۲۴۴ ، [4] یاقوت الحموی ص ۹۰۱

مثلاً کیمبل براؤن نے بڑے تحسینی کلمات کے ساتھ کیا ہے، ۱۴۹۸ء میں پہلی مرتبہ عربی سے لاطینی زبان میں اس کا ترجمہ وینس (Venice) سے شائع ہوا، پھر اس کا یونانی ترجمہ پیرس سے ۱۵۴۸ء میں شائع ہوا، یہ کتاب بیروت وغیرہ سے عربی میں برابر شائع ہوتی رہی، فرینچ اور انگریزی میں بھی اس کے ترجمے ہوئے، وبائی امراض کی تاریخ میں یہ سب سے پہلی کتاب ہے، جس سے رازی کی فنی براعت کا اندازہ ہوتا ہے، پروفیسر براؤن نے نیوبر کا ایک بیان نقل کرکے اس کتاب کی اہمیت ظاہر کی ہے۔

"یہ ایک صداقت ہے کہ یہ رسالہ آج ہر ایک ہاتھ میں عربوں کے طبی لٹریچر کے ایک زیور کی حیثیت رکھتا ہے۔"[1]

ڈاکٹر زبیر صدیقی نے اس کتاب کا جامع تعارف کرایا ہے:

"ON the smallpox and measles AlRasez was the first physician to write an independe-nt treatise which has been translated into more than a dozen Europian languages and is described as an ornament to the medical literature of the world.

In this book he pointed out for the first time that smallpox and measles were different diseases having different pathe-logical conditions.1

1,Introduction to studies in Arabic and Persian medical literature.P 43)

---

[1] طب العرب مترجم اردو، از نیر حسین واسطی ص ۶۵

ترجمہ: "رازی پہلا طبیب ہے جس نے چیچک اور خسرہ پر ایک مستقل رسالہ لکھا جس کا یورپ کی ایک درجن سے زیادہ زبانوں میں ترجمہ ہوا، اور جو دنیا کے طبی لٹریچر کا جوہر قرار دیا گیا، اس کتاب میں رازی نے پہلی مرتبہ یہ بتایا کہ چیچک اور خسرہ مختلف ماہیتوں کے ساتھ دو مختلف امراض ہیں۔"

ڈاکٹر کیمبل نے اس رائے سے اتفاق نہیں کیا ہے، ان کا خیال ہے کہ اس موضوع پر اس سے قبل ایک عیسائی فادر کسی قدر لکھ چکے ہیں، البتہ اتنا ضرور ہے کہ رازی نے دونوں امراض کے مابین فرق و امتیاز کو واضح کیا، جو ان کی اپنی کاوش ہے، یہاں بھی کیمبل کا اپنا خاص رنگ دیکھا جا سکتا ہے، ایک بیّن حقیقت کا انکار نہ کرکے کیسا شبہ پیدا کیا ہے۔

یہ کتاب ایک سو بارہ [۱۱۲] صفحات اور چودہ [۱۴] ابواب پر مشتمل ہے، ۱۸۷۲ء میں یہ کتاب بیروت سے شائع ہوئی، اس کا ایک نسخہ شبلی اکیڈمی اعظم گڈھ میں موجود ہے، ایڈٹ کرنے والے کا نام اس پر درج نہیں ہے، البتہ اس کے مقدمے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس سے قبل یہ کتاب زیور طباعت سے آراستہ نہیں ہوئی، مرتب کے بقول یہ کتاب یورپ میں موجود بعض قلمی نسخوں اور مکتبہ ودسیہ کے ایک مخطوطے سے ملا کر شائع کی گئی، مرتب نے بڑی تحقیق سے وضاحتی نوٹ لکھا ہے، خود ان کا کہنا ہے:

ولما كانت هذه الرسالة قليلة	چونکہ یہ رسالہ نادر و نایاب تھا، اس
الوجود استحسنت عمدة الادارة	لئے ادارۂ سوریہ کالج نے اس کی حفاظت
للمدرسة السورية الكلية	کا کار خیر اپنے ذمہ لیا، اس کے حکم سے
حفظها من الدثور وامرت	بعض شرحوں کا اضافہ کرتے ہوئے غلطیوں
باضافة بعض الشروح اليها	سے احتراز کی سبیل فراہم کی گئی تاکہ
اصلاحاً للخطاء وايضاحاً لما	قارئین کو دشواری کا سامنا کرنا
قد يشكل على القراء۔[1]	نہ پڑے۔

---

[1] مقدمہ کتاب الجدری والحصبہ، از مرتب، بیروت ۱۸۷۲ء۔

رازی نے اس کتاب کی تالیف کا سبب خود بیان کیا ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اپنے موضوع پر پہلی کتاب ہے۔

كان جرى ذات ليلة في مجلس	ایک رات ایک بڑے ماہر فن فاضل
رجل جليل فاضل محب لعلى شرح	انسان کی مجلس میں نفع بخش علوم و
العلوم النافعة يستحيل سبلها	فنون اور ان کے عوامی سطح پر مفید بنانے
للناس ذكر الجدري فتكلمت	کے موضوع پر گفتگو کے دوران چیچک کا
من ذالك في تلك الليلة ما	ذکر آگیا، مجھ سے جو کچھ ہو سکا وہ اس
حضرني، فاحب هذا الرجل	موضوع پر میں نے پیش کیا، اسی فاضل
نفع الله الناس بطول بقاءه	و باکمال انسان نے مجھ سے اس
ان اعمل مقالة من هذا المرض	موضوع پر ایک اچھی سی کتاب لکھنے
مجددة متقنة اذ لم يجد في	کا مطالبہ کیا، اس لئے کہ اس موضوع
ذالك لاحد من القدماء	پر قدیم و جدید اطباء میں سے
والمحدثين الى هذه الغاية	کسی نے بھی اطمینان بخش تحریر
قولا مستقصيا ولا كافيا فعملت	پیش نہ کی تھی، چنانچہ میں نے
هذه المقالة [5]	یہ کتاب لکھی۔

برء الساعة :۔ یہ غالباً آخری دور کی تصنیف ہے، خلیفۂ وقت مکتفی کے وزیر ابوالقاسم عبد اللہ کی فرمائش پر لکھی گئی، اس میں ان معمولات مطب اور ادویہ کا ذکر کیا ہے، جن سے بعض امراض کا فوری علاج کیا جاسکتا ہے، مثلاً زکام، شقیقہ، درد دندان، صرع (مرگی) رعاف (نکسیر) جرب

[5] مقدمہ کتاب الجدری والحصبہ، از رازی، بیروت ۱۸۷۲ء۔

(خارش) اس چھوٹے سے رسالہ کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے، اصل کتاب ۲۳ مختلف امراض پر مشتمل ہے، متعدد زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے، فرنچ ترجمہ پہلی بار ۱۹۰۴ء میں عربی متن کے ساتھ شائع ہوا، مرزا احمد بن حسین شریف دہلمی نے اس کا فارسی ترجمہ کیا، ہندوستان میں بھی یہ کتاب شائع ہوئی۔

ڈاکٹر P. Guigues نے جو کہ فرانس میڈیکل کالج میں Pharmocology کے پروفیسر تھے، ۱۹۰۴ء میں اس کو لاطینی ترجمہ کے ساتھ شائع کیا، یہ کتاب اس وقت نایاب تو نہیں کمیاب ضرور ہے، ڈاکٹر موصوف کا تبصرہ حسب ذیل ہے:

وهكذا تاكدت صحة نصوص	اس طرح اس نسخہ کے نصوص کی صحت
النسخة لاحفظ من النسيان	مؤکد ہوگئی ہے، مگر اس کے باوجود
احد تاليف من امتاز بين	خطا و نسیان سے محفوظ نہیں رہا جاسکتا،
اطباء العرب [6]	یہ ایک ممتاز عربی طبیب کی ایک تصنیف ہے

ڈاکٹر موصوف کا ایڈٹ کیا ہوا مذکورہ نسخہ شبلی اکیڈمی اعظم گڈھ میں موجود ہے۔

اگرچہ کوئی بین ثبوت فراہم نہیں ہو سکا تاہم اس امکان سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ موجودہ دور کے سائنس دانوں اور طبی ماہرین نے اس کتاب سے استفادہ کرکے مسکن درد، دافع حمی وغیرہ جیسی سریع النفوذ اور زود اثر ادویہ تیار کی ہوں، ضرورت ہے کہ اس کتاب کے اصول و کلیات کو پھر سے نئی سائنس کی روشنی میں برتا جائے، تو یہ کتاب طب کا بہترین نسخہ ثابت ہو سکتی ہے۔

کتاب الحصاة فی الکلی والمثانہ :۔ یہ کتاب بھی عموماً مؤرخین کے یہاں معروف و مذکور ہے، ڈاکٹر پی ڈی کوننگ (P.De Koning) نے ۱۸۹۶ء میں اس کا فرنچ ترجمہ عربی متن کے ساتھ شائع

[6] مقدمہ برء الساعۃ، از مرتب، مطبوعہ فرانس ۱۹۰۴ء، نسخہ شبلی اکیڈمی اعظم گڈھ۔

کیا، جس کا ایک نسخہ دارالمصنفین اعظم گڈھ میں موجود ہے۔ اس رسالہ میں گردے اور مثانہ کی پتھری (Renal and verck calculus) کے اسباب، علامات، حفظ ماتقدم اور علاج کا تفصیلی ذکر ہے۔

اس کتاب پر مصنّف کا ایک مقدمہ بھی ہے، جس سے اس کتاب کی ضرورت اور مقصد کا پتہ چلتا ہے۔

قال ابوبکر زکریا الرازی رحمہ اللہ	ابوبکر محمد بن زکریا رازی نے کہا
ان یقول فی الحصاۃ التی تتولد	کہ وہ چاہتا ہے کہ اس پتھری کے
فی الکلی قولا وجیزا واضحا غیر	بارے میں جو گردوں میں پیدا ہو جاتی
مشوب بذکر سبب بعید	ہے کوئی مختصر، واضح اور مدلل بات کسی
لکن بمقدار ما یضطر الیہ	سبب بعید کے ذکر میں الجھے بغیر کہے،
المعالج من ھذا الداء فقط[1]	لیکن ان اسباب کا ضرور ذکر کردے جن
	کا علم اس مرض کے سلسلہ میں ایک معالج
	کو ضرور ہونا چاہئے۔

مجلۂ طب و جراحت لاہور نے جون ۱۹۵۰ء میں اس کا پورا اردو ترجمہ شائع کیا، یہ اپنے موضوع پر ایک مختصر اور جامع رسالہ ہے، جسے از سر نو وضاحتی نوٹ کے ساتھ ترتیب دیا جانا چاہئے۔

رازی کی تصنیفات کا تفصیلی ذکر کتابوں کی نایابی یا کم یابی کی وجہ سے ممکن نہیں ہے، اور نہ اس مختصر سے مقالہ میں اس کی گنجائش ہی ہے۔ مختصر طور پر ہم صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ اس نے ڈھائی پونے تین سو کتابیں اور رسالے لکھے۔

[1] برء الساعۃ ص۲ (موجود در شبلی اکیڈمی اعظم گڈھ) مطبوعہ پیرس ۱۸۹۶ء۔

ڈاکٹر محمود نجم آبادی نے اس کی تصنیفات پر ایک مفصل کتاب "مصنفات رازی" کے نام سے لکھی ہے، جس میں نام اور مختصر تعارف کے ساتھ ۲۷۱ کتابوں کا ذکر کیا ہے، القفطی نے تاریخ الحکماء میں ایک سو تیتیس ۱۳۳ کتابوں کا نام بنام ذکر کیا ہے، اسی طرح البیرونی، ابن ابی اصیبعہ، ابن الندیم نے بھی اس کی کئی سو کتابوں کا ذکر نام کی وضاحت کے ساتھ اور بغیر نام کے کیا ہے۔

سیّد حسن برنی نے لکھا ہے کہ اس نے صرف فن طب پر لگ بھگ دو سو ۲۰۰ کتابیں لکھی ہیں، اس سلسلہ میں ڈاکٹر نجم آبادی کی تحقیق اب تک آخری سمجھی جاتی ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ رازی کی بہت سی کتابیں شائع ہوئیں، اور مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے بھی ہوئے، مگر ان تمام کوششوں کے باوجود ابھی اس پر بہت کچھ کام کرنا باقی ہے، اس کی تصنیفات کے صحیح اور مستند متن کی روشنی میں ان کے دوبارہ ترجمے کی ضرورت ہے، اور اس کے اصولِ طب اور معالجاتی کلیّات کو جدید سائنس کی روشنی میں عملاً برت کر سامنے لانا چاہئے، اور اس کی تصنیفات کا دوسری اسلامی زبانوں مثلاً فارسی، اردو، ترکی وغیرہ میں بھی ترجمہ کیا جانا چاہئے تاکہ طبی دنیا کو مزید فیض پہونچ سکے۔

مقالات شبلی تاریخی جلد دوم

یہ سلسلۂ مقالات شبلی کی چھٹی جلد اور مولانا کے اہم اور معرکۃ الآرا تاریخی مقالات کی دوسری جلد ہے، یہ ان کے ان تاریخی مضامین کا مجموعہ ہے، جو انہوں نے تاریخ اسلام کے مختلف پہلوؤں اور مباحث پر لکھے، مثلاً تراجم، اسلامی کتب خانے، ہندوستان میں اسلامی حکومت کے تمدن کا اثر، اس میں ایک مضمون "اسلامی حکومتیں اور شفاخانے" بھی ہے، اس میں مولانا نے لکھا ہے، کہ اسلامی حکومتوں نے فن طب کی کیا خدمت کی، اور انہوں نے پبلک کی خدمت کے لئے عہد بہ عہد کتنے شفاخانے قائم کیے، جن میں ہر قسم کے امراض کا علاج ہوتا تھا۔

قیمت گیارہ روپیے

"منیجر"

مطبوعات جدیدہ

مکتوبات ماجدی جلد اوّل

مرتبہ ڈاکٹر ہاشم قدوائی، تقطیع متوسط، کاغذ، کتابت وطباعت نہایت عمدہ، صفحات ۲۲۴ مجلد مع گرد پوش، قیمت ۴۰ روپیے، پتہ:

ادارۂ انشائے ماجدی، ۴/۱۴۷ ابندر سرانی، کلکتہ ۷۳،

مولانا عبد الماجد دریابادی مرحوم کے وسیع حلقۂ تعارف میں اعزہ واقربا کے علاوہ مختلف طبقہ و مسلک اور ہر مذہب وملت کے اہل علم، اصحاب شعر وادب، سیاستدان، امراء، رؤسا اور اعیان دولت شامل تھے، اور سب سے ان کی خط وکتابت بھی رہتی تھی۔ زیر نظر کتاب انہی مختلف النوع اشخاص کے نام مولانا کے مکاتیب کا مجموعہ ہے، جو ۲ حصّوں پر مشتمل ہے، پہلے میں ادبی اور دوسرے میں تعزیتی خطوط درج ہیں، مولانا اردو کے نامور ادیب اور صاحب طرز انشا پرداز تھے، ان کی کوئی تحریر ادبی لطافت وبانکپن سے خالی نہیں ہوتی تھی، ان خطوط میں بھی ان کی جادو نگاری، ادبی گلکاری، عدیم المثال طرز انشا، منفرد اسلوب نگارش، رعایت لفظی اور ضلع جگت کی صنعت کی پوری جلوہ گری ہے، پہلے حصّے کے اکثر خطوط مشاہیر علم وادب کو لکھے گئے ہیں، ان میں مولانا نے بعض الفاظ اور ترکیبوں کے متعلق یا تو دوسروں کے استفسا کے جواب دئیے ہیں، یا خود ان کے بارہ میں زبان وادب کے ماہرین کی تحقیق دریافت کی ہے، بعض خطوط میں کسی اہل قلم کے مضمون یا کتاب کی توصیف وتحسین کی ہے، یا اس کی خامیوں اور فروگذاشتوں کی جانب اس کی توجہ مبذول کرائی ہے، بعض خطوط کی حیثیت پیام کی ہے، جو ادبی وعلمی شخصیتوں کی یادگار منانے والوں یا رسالوں کے خاص نمبر شائع کرنے والوں کو لکھے گئے ہیں، اس لئے ان خطوط میں دلچسپ ادبی معلومات، لفظوں کی تحقیق، زبان کے نکتے اور بعض اہم اشخاص کے بارہ میں تاثرات درج ہیں، جو زبان وادب سے

دلچسپی رکھنے والوں کے لئے خاصے کی چیز ہیں، دوسرا حصہ مولانا کے درد انگیز اور دلدوز تعزیتی مکاتیب پر مشتمل ہے، جو یا تو اولاد کو والدین کے سایہ شفقت سے محروم ہونے یا والدین کو اولاد کے داغ مفارقت دینے پر لکھے گئے ہیں، یا زوجین میں سے کسی ایک کے انتقال پر دوسرے کو لکھے گئے ہیں، یا پھر بھائی کی وفات پر موجود بھائی یا کسی اور کی رحلت پر اس کے دور ونزدیک کے عزیزوں اور متعلقین کو تحریر کئے گئے ہیں، ان میں جہاں مولانا نے اپنے غم واندوہ اور شدت تاثر کا اظہار کیا ہے، وہاں پس ماندگان کو نہایت موثر اور بلیغ انداز میں تسلی، تثبیت اور صبر کی تلقین بھی کی ہے، یہ خطوط بھی مولانا کے گہربار اور جادو نگار قلم کی یادگار اور ادبی حلاوت وچاشنی سے معمور ہیں، مولانا کے برادر زادہ اور خویش جناب محمد ہاشم قدوائی نے تو ضیحی حواشی لکھ کر مکتوب الیہم کا ایک حد تک تعارف بھی کرا دیا ہے، اور ان سے مولانا کے تعلق کی نوعیت بھی بتائی ہے، شروع میں ان کے اور حکیم عبد القوی دریابادی مدیر صدق جدید کے قلم سے دیباچے بھی ہیں، مولانا کے خاص عقیدت کیش اور پرستار جناب حاجی منظور علی صاحب نے ان کی دوسری کتابوں کی طرح اسے بھی نہایت اہتمام اور نفاست سے شائع کیا ہے، مگر اردو کی اکثر کتابوں کی طرح اس میں بھی انا للہ کا املا ہر جگہ ایک لام کے اضافہ کے ساتھ انا للّٰہ لکھا ہوا ہے، ص۴۸ پر مرزا محمد ہادی رسوا کے منظوم ڈرامہ "مرقع لیلیٰ ومجنون" کا سنہ طبع ایک جگہ ۱۸۷۷ء اور دوسری جگہ اسی صفحہ پر ۱۸۸۷ء درج ہے، یہ سہو کتابت ہے، صحیح سنہ ایک ہی ہو سکتا ہے،

عقیدۃ المومن

مؤلفہ شیخ ابوبکر الجزائری، مترجمہ جناب مولوی نصیر احمد صاحب ملی، تقطیع متوسط، کاغذ اچھا، کتابت وطباعت بہتر، صفحات ۵۲۸، قیمت ۲۵ روپئے، پتہ:۔ الدار السلفیہ ۱۳، محمد علی بلڈنگ، بھنڈی بازار بمبئی ۳۔

الدار السلفیہ نے متعدد مفید دینی کتابیں شائع کی ہیں، یہ کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، جو شیخ ابوبکر الجزائری استاذ جامعہ اسلامیہ مدینہ یونیورسٹی کی عربی تصنیف کا سلیس وشگفتہ اردو ترجمہ ہے۔

اس میں اسلام کے بنیادی عقائد ایمان باللہ، ایمان بالملائکہ، ایمان بالکتب، ایمان بالرسل، ایمان بالآخرت اور ایمان بالقضاء والقدر پر بحث وگفتگو کی گئی ہے، شروع میں عقیدے کی اہمیت وضرورت اور اس کا مفہوم واضح کیا ہے، پھر باری تعالیٰ کے وجود ومعرفت کی عقلی ونقلی دلیلیں بیان کی ہیں، اس کے بعد توحید کا مفہوم اور اس کی قسمیں بتائی گئی ہیں، اور اسی کے ضمن میں شرک کا مطلب اور خدا کی ذات، اسمائے صفات اور عبادات وغیرہ میں شرک کی صورتوں کی وضاحت کی گئی ہے، اس بحث کے آخر میں دعا، استغاثہ، استعانت، نذر، قربانی، رکوع، سجود، وسیلہ، شفاعت، سفارش، آثار وتبرکات، ولایت اور کرامت وغیرہ کی جائز اور صحیح صورتوں کے ساتھ ممنوع اور حرام شکلوں کی تفصیل بھی قلمبند کی گئی ہے، فرشتوں کی بحث میں انکے وجود کی عقلی ونقلی دلیلیں، ان پر ایمان لانے کی ضرورت، ان کے فرائض، صفات وخصوصیات کے علاوہ جنات وشیاطین کے وجود اور ان کے اشغال واعمال کا ذکر بھی آگیا ہے، اسی طرح خدا کی کتابوں پر ایمان کا مطلب اور موجود مشہور آسمانی کتابوں میں قرآن کی اہمیت وفوقیت دکھائی ہے، پھر رسولوں پر ایمان کی ضرورت، وحی ونبوت کے ثبوت، وحی کی بعض شکلوں، انبیاء کے اوصاف وخصوصیات، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اجمالی تذکرہ اور آپ پر سلسلۂ نبوت کے ختم کئے جانے کا ذکر ہے، اس کے بعد یوم آخرت وبعث کے دلائل اور اس پر ایمان لانے کی ضرورت واہمیت واضح کی ہے، اور آثار قیامت، حساب، پل صراط، میزان، جنت ودوزخ اور انکی بعض اشیاء نیز قبر اور عالم برزخ کے متعلق اسلامی تعلیم پیش کی گئی ہے، آخر میں قضاء وقدر، جبر واختیار، ارادہ ومشیت الٰہی پر بحث کی ہے، عقائد ہی پر دین کا سارا دارومدار ہے، اس لئے اسکی اصلاح وصحت نہایت ضروری ہے، اس کتاب کا اصل مقصد یہی ہے، اس کی یہ خوبی بھی ہے کہ اس میں اسلام کے بنیادی عقائد کی وضاحت میں عقلی ونقلی دونوں قسم کی دلیلیں بیان کی گئی ہیں، اور ان کے بارہ میں شکوک وشبہات کا ازالہ بھی کیا گیا ہے، اس حیثیت سے یہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے مطالعہ کے لائق بھی ہے، البتہ بعض آیتوں اور حدیثوں کی جو تشریح کی گئی ہے، وہ محل نظر ہے۔

غالب اور صفیر بلگرامی :- مرتبہ جناب مشفق خواجہ صاحب، تقطیع متوسط، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، صفحات ۲۰۸، مجلد مع گردپوش، قیمت ۲۵ روپیے، پتہ :- عصری مطبوعات اے/۳۲۲، بلاک ڈی، نارتھ ناظم آباد، کراچی ۳۳۔

سید فرزند احمد صفیر بلگرامی مرزا غالب کے شاگرد رشید اور خود بھی بلند پایہ مصنف اور شاعر تھے، اس کتاب میں پاکستان کے مشہور محقق جناب مشفق خواجہ نے غالب اور صفیر کے تعلقات کی مفصل روداد بہت تحقیق وجستجو سے قلمبند کی ہے، شروع میں صفیر کے حالات وسوانح اور علمی کمالات کا ذکر ہے، اس حصہ میں تصنیفات کی تعداد اور ان کے متعلق معلومات بڑی دیدہ ریزی سے فراہم کئے گئے ہیں، دوسرے باب میں صفیر غالب کی مراسلت درج ہے، اس میں صفیر کے نانا صاحب عالم مارہروی اور شاہ عالم مارہروی کا غالب کے نام ایک ایک خط بھی درج ہے، ان خطوط میں صفیر نے غالب سے شاگردی کی جو درخواست کی تھی اس کی سفارش کی گئی ہے، تیسرے باب میں غالب وصفیر کی ملاقات کا حال قلمبند کیا ہے، صفیر کی مختلف کتابوں میں غالب سے ملاقات کی جو تفصیل درج ہے خواجہ صاحب نے اسے بہ تمام وکمال پیش کر دیا ہے، اور جو باتیں انہیں غلط یا مشکوک معلوم ہوئی ہیں، ان کی حواشی میں تردید بھی کی ہے، اس کے بعد رشحات صفیر پر غالب کا دیباچہ اور ایک قطعہ نقل کیا گیا ہے، جو انھوں نے صفیر کے یہاں فرزند تولد ہونے پر کہا تھا۔ پھر صفیر کی کتابوں "انشائے سبد گل" "جلوۂ خضر" اور "مختصر بستان خیال" کے وہ حصے نقل کئے ہیں، جن میں غالب کا تذکرہ ہے، اس ضمن میں تین اور کتابوں کا ذکر بھی آگیا ہے، ان میں ایک مرقع فیض ہے جو صفیر کے تلمیذ سلطان مرزا سلطان کی تصنیف ہے، دوسری مرقع فیض کے جواب میں تحریر کی گئی تنبیہ صفیر بلگرامی ہے، جس کو صفیر کے ایک منحرف شاگرد خواجہ فخر الدین حسین سخن دہلوی نے اپنے شاگرد سردار مرزا آزاد سے لکھوایا تھا، تیسری توضیح المقال فی شرح مختصر بستان خیال ہے، یہ بھی سردار مرزا آزاد کی تصنیف اور تنبیہ صفیر بلگرامی کا دوسرا حصہ ہے، اس میں صفیر کا خوب مضحکہ اڑایا ہے، اور ان کی ایک غزل کے ہر ہر شعر پر آزاد نے مصرعے لگا کر اس کی دھجی بکھیری

ہے، صفیر کی محرستان خیال کا جو حصہ فاضل مصنف نے نقل کیا ہے، وہ اہم اور خاصے کی چیز ہے، اس کا جوابی حصہ بھی جو مرزا آزاد کی تضمین پر مشتمل ہے، ادبی دلچسپی کا سامان ہے، آخر میں غالب کی دو غزلوں اور ایک قطعہ پر صفیر کے مخمسات دیئے گئے ہیں، اور سب کے آخر میں متفرقات کے زیر عنوان وہ معلومات درج ہیں، جو فاضل مصنف کو کتاب کی اشاعت کے دوران میں حاصل ہوئے، غالب و صفیر کے تعلقات کے سلسلہ میں جو منتشر مواد پہلے سے موجود تھا، اسے اور اس کے علاوہ بہت سی مزید چیزیں بھی اس کتاب میں بہت خوبی اور مناسب ڈھنگ سے یکجا کر دی گئی ہیں، اور اس موضوع پر اب تک جو کام ہوا ہے، اس کی خامیوں کی نشاندہی بھی کر دی گئی ہے، لائق مصنف نے یہ تمام معلومات خود صفیر کے حوالہ سے لکھے ہیں، مگر ان کے غلط بیان کی تصحیح بھی کر دی ہے، اور مختلف نسخوں کے فرق و اختلاف کی صراحت بھی کی ہے، یہ کتاب علمی و تحقیقی حیثیت سے بلند پایہ اور اردو کے ذخیرہ میں اچھا اضافہ ہے۔

مکاتیب عبدالحق بنام محوی — مرتبہ جناب عبدالقوی دسنوی صاحب، تقطیع متوسط، کاغذ معمولی، کتابت و طباعت بہتر، صفحات ۲۴۸، قیمت چھ روپے، ناشر انجمن ترقی اردو پاکستان، بابائے اردو روڈ، کراچی ۱۔

جناب محوی صدیقی بھوپال کے ممتاز اہل قلم تھے، انہیں بابائے اردو مولوی عبدالحق مرحوم کے ساتھ برسوں رہنے اور اردو کی خدمت کرنے کا موقع ملا تھا، اس لئے دونوں میں اکثر خط و کتابت بھی ہوتی تھی، اب جناب عبدالقوی دسنوی کی کوشش اور تلاش سے محوی صاحب کے نام کے بابائے اردو کے تقریباً تین درجن خطوط کا یہ مجموعہ انجمن ترقی اردو پاکستان سے شائع ہوا ہے، شروع میں ان کے قلم سے دو مختصر مضامین بھی ہیں، ایک میں مولانا محوی کے حالات و واقعات اور انکی سیرت و شخصیت کے خط و خال نمایاں کئے گئے ہیں، اور دوسرے میں ان کے اور مولوی عبدالحق صاحب کے تعلقات اور خطوط کی خصوصیات دکھائی ہیں، بابائے اردو کی پوری زندگی اردو کی خدمت و ترقی کیلئے وقف رہی ہے جیسا کہ ان خطوط سے بھی اندازہ ہوتا ہے، اس لئے ان کی اشاعت بھی اردو کی مفید خدمت ہے۔ "ض"

جلد ۱۳۲ ماہ ذی الحجہ ۱۴۰۳ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۸۳ء عدد ۴

مضامین

مقالات

ادبیات